قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔ آپ کے آنے کی آہٹ سنکر آپؐ کی بہن نے اس کو چھپا دیا عمرؓ آئے۔ اور پوچھا یہ زم زم آواز کیسی تھی۔

فاطمہ۔ کچھ نہیں۔

عمرؓ۔ میں نے سنا ہے تم دونوں بے دین ہو گئے ہو

یہ کہکر بہن اور بہنوئی کو سخت مارا یہاں تک کہ خون بہنے لگا۔

فاطمہ۔ عمر جو تیرا جی چاہے کر بس تو تمرا دین چھوڑ چکی اور اب اسلام دل سے ہرگز نہیں نکل سکتا

عمرؓ۔ اچھا مجھے وہ دکھاؤ جو تم پڑھ رہے تھے۔

فاطمہ۔ لا یمسہ الا المطہرون دیکھے اس کو سوائے پاک لوگوں کے کوئی نہیں چھو سکتا

عمرؓ نے اسی وقت غسل کا سامان کیا بہن نے صحیفہ نکالا۔ اور حضرت عمرؓ نے سورہ طٰہٰ رکوع ا شروع کیا۔

ما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ ہ الا تذکرۃ لمن یخشیٰ ہ تنزیلا ممن خلق الارض والسموات العلیٰ الرحمٰن علی العرش استویٰ لہٗ ما فی السموات وما فی الارض وما بینہما وما تحت الثریٰ ہ وان تجہر بالقول فانہ یعلم السر واخفیٰ ہ اللہ لا الہ الا ہو لہ الاسماء الحسنیٰ۔ ترجمہ ہم نے قرآن اس لئے نہیں اُتارا کہ تم مشقت اور محرومی اُٹھاؤ۔ بلکہ یہ ایک نصیحت ہے جس سے ڈرنے والوں کو نفع ہے یہ اس ذات پاک نے اُتارا ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو رحمان جو عرش پر مسلط ہوا اسی کی ملک ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اور جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے اور جو کچھ زمین کے نیچے ہے اور اگرچہ تو قول کو ظاہر کرے مگر وہ چھپی چھپائی باتوں کو بھی جانتا ہے اللہ ہی ہے کوئی معبود اس کے سوا نہیں اور اسمائے حسنیٰ اسی کے لئے مخصوص ہیں۔

یہ آیت پڑھتے ہی آپ کے دل میں ایک انقلاب پیدا ہوا اور کہا کیا تو نبی اسی سے بھاگتے ہیں اس سے بھاگ کر کہاں جلینگے کہاں ہے محمدؐ مجھے لے چلو اس کے پاس کہ میرے زخمی دل پر اطمینان کا پھایا رکھے۔ وہ عمرؓ جو تلوار سونت کر ان کے قتل کے لئے گھر سے

باہر نکلا ہے۔ اب وہی تلوار اس کے قدموں پر رکھنے کو حاضر ہے۔ حضرت بن الارت انصاری جو حضرت عمرؓ کے خوف سے اندر چھپے ہوئے تھے۔ یہ الفاظ سن کر باہر نکلے۔ اور ان کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں گئے۔ جہاں آپ اسلام پر ایمان لا کر اس دین حقہ کی اشاعت و مزید تقویت کا باعث ہوئے[۵]۔

حرم بن حیان ایک مرتبہ حضرت اویس قرنی[۶] کو ملے اور کہا۔

حرم بن حیان۔ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کوئی روایت تو بیان کرو۔ کہ روح کی خوشی کا باعث ہو۔

اویس قرنیؒ۔ میں نے ان کو دیکھا نہیں۔ روایت کیا کہہ سکتا ہوں۔ البتہ حدیثیں سنی ہیں۔

حرم بن حیان۔ کوئی حدیث ہی کہو۔

اویس قرنیؒ۔ میں محدث اور مفتی نہیں بننا چاہتا۔ مجھ کو خود ایک شغل حاصل ہے۔ جو مجھے اس طرف آنے کی فرصت ہی نہیں دیتا۔

حرم بن حیان۔ کوئی آیت ہی بیان کرو۔

حضرت اویس قرنی رح نے یہ آیت پڑھی۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ مَا خَلَقْنَاهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ۔ یہاں تک کہ ھو العزیز الرحیم تک پڑھا۔ اور جب آخری الفاظ تک پہنچے۔ تو آنکھوں سے آنسو گر پڑے اور ایک بلند نعرہ لگایا۔ حرم بن حیان کہتے ہیں۔ اس وقت حضرت اویس قرنی رح کی حالت دیوانوں کی سی معلوم ہوتی تھی۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ بڑے رقیق القلب تھے۔ اکثر نمازوں میں اور قرآن شریف کے

---

[۵] حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوسرے خلیفہ تھے۔ تریسٹھ سال کی عمر میں محرم الحرام بروز شنبہ ۲۴ھ کو انتقال فرما گئے۔ آپ نے قریباً ساڑھے دس سال تک خلافت کی ہے۔

[۶] حضرت اویس قرنی۔ یمن کے رہنے والے اور آنحضرت صلعم کے مادیدہ عاشق تھے۔ آنحضرت اکثر یمن کی طرف رخ کرکے فرمایا کرتے تھے۔ یمن کی طرف سے رحمت کی نسیم پاتا ہوں۔ حضرت عمر فاروق اور حضرت علی المرتضیٰ سے آپ نے ملاقات کی ہے۔ بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ لڑائیوں میں بھی شامل رہے۔ اسی جنگ میں شہادت کا رتبہ حاصل کر لیا۔

پڑھتے وقت آپ پر رقت طاری ہوجایا کرتی تھی اور گھنٹوں تک اسی استغراق کے عالم میں رہا کرتے تھے ابراہیم بصری کہتے ہیں کہ ایک بار امام صاحب نے نماز صبح میں یہ آیت پڑھی تو "ولا تحسبن اللہ غافلا عما یعمل الظالمون" یعنے ہرگز یہ مت سمجھو کہ اللہ تعالے ظالموں کے اعمال و کردار سے بے خبر ہے (سورہ ابراہیم رکوع ۷) یہ سن کر آپ پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ کانپتے تھے اور آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔[1]

ایک شخص آپ کے پاس ایک مسئلہ پوچھنے کے لئے آیا آپ اس وقت قرآن شریف پڑھ رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے "ووقانا عذاب السموم" (سورہ طور رکوع ۲) ترجمہ بچا سموم کے عذاب سے تو اس آیت کی تکرار کرنے لگے یہاں تک کہ سوتے جاتے تھے آدھا دن گذر گیا۔ اور آپ اس کا تکرار بند نہیں کرتے تھے۔ آخر نماز کا وقت جب قریب آیا تو آپ نے اس آیت کا تکرار بند کیا

ایک مرتبہ نماز میں یہ آیت پڑھی "بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھی وامر" (سورہ قمر رکوع ۳) یعنی قیامت گنہگاروں کی وعدہ گاہ ہے اور قیامت سخت مصیبت اور ناگوار چیز ہے آپ اسی آیت کو رات بھر پڑھتے رہے اور زار زار روتے رہے۔

یزید کمیت کہتے ہیں میں ایک بار آپ (حضرت امام ابوحنیفہ) کے ساتھ نماز عشا میں شریک ہوا چونکہ امام نے نماز میں سورہ زلزال پڑھی۔ سب لوگ نماز پڑھ کر چلے گئے۔ میں نے آپ کو دیکھا ٹھنڈی سانسیں لے رہے ہیں یہ دیکھ کر میں بھی چلا گیا صبح کو جب مسجد میں آیا تو دیکھا آپ سورۂ زلزال کا ورد کر رہے ہیں آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ اور بڑے درد سے کہہ رہے ہیں۔ اے ذرہ بھر نیکی اور ذرہ بھر بدی کا بدلہ دینے والے اپنے بندہ نعمان کو (نعمان آپ کا اصل نام تھا) دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھنا

حضرت مولانا شاہ درگاہی[2] کی گرمی اور رقیق القلبی کی کیفیت تذکرۃ السالکین سے

---

[1] تذکرۃ السالکین صفحہ ۲۵۳

[2] نام آپ کا شیخ محمد لعل عرف شاہ درگاہی محبوب الٰہی سرہٗ۔ آپ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی اولاد سے ہیں۔ وطن آپ کا بقول بعض تحصیل سرانوالہ بقول بعض ملوک پور ہے ۱۱۶۲ھ آپ کی پیدائش ہے تاریخ وفات ۱۲۲۶ھ ہے مزار آپ کا باغ رامپور میں ہے۔

معلوم ہو سکتی ہے۔ ایک بار امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے امام نے آیہ کریمہ یحبونھم کحب اللہ والذین امنوا اشد حبا للہ جس طرح سلامت صدا سے محبت رکھتے ہیں یہ دشمن ان سے ایسے محبت رکھتے ہیں بلکہ ایمان والوں کو خدا کی محبت زیادہ ہوتی ہے پاس آیت کے سنتے ہی جوش میں آ گئے جسم مبارک کو حرکت ہوئی۔ نماز کے بعد آپ کے ساتھ امام اور مقتدی غایہ وجد و وصال سے مدہوش و بے حال ہو گئے۔ اور مسجد میں ہائے ہو کا ایک شور عظیم برپا ہوا۔ خدا کی قدرت سے جتنے لوگ مسجد میں آتے تھے سب پہ یہی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

ابو عبداللہ مہدی باوردی[1] جو پہلے طبقہ کے بزرگوں کے سرگروہ ہیں۔ ایک دن اپنی دوکان پہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک اندھا ان کے سامنے سے یہ آیت پڑھتا ہوا گذرا اَلْمُلْکُ یَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ (اس دن کی بادشاہی رحمٰن کے لئے ہو گی) ابو عبداللہ کے کانوں تک جب یہ خدائی الفاظ پہنچے تو لوہا جو ان کے ہاتھ میں تھا ہاتھ سے گر گیا۔ اور بے خود ہو کر گرم لوہے کو ہاتھ میں اٹھا لیا۔ شاگرد پاس ہی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ یہ کیفیت دیکھ کر کہ گرم لوہے کے اٹھا لینے سے انہوں نے کوئی تکلیف محسوس نہیں کی ششدر رہ گیا۔ آپ نے پوچھا کام کیوں نہیں کرتے۔ اور یہ حیرانی کیسی ہے اس نے کہا۔ آپ کے ہاتھ میں تپا ہوا لوہا ہے۔ اور آپ کو درد محسوس نہیں ہوتا۔ آپ نے دیکھا تو کہا۔ اب تو بھید ظاہر ہو گیا۔ یہ کہکر اٹھ کھڑے ہوتے اور دکان کو چھوڑ دیا۔

ابو بکر موازینی مصری بیان کرتے ہیں کہ عید الضحیٰ کے دن میں نے ایک درویش کو دیکھا جس کے ہاتھ میں کوزہ یا پیالہ تھا۔ وہ کہتا تھا یا سیدی تقرب الناس الیک بذبائحھم وقربانھم ولست املک الا نفسی فھا ھی مقدمۃ بین یدیک یعنی اے میرے سردار لوگ تیری طرف اپنے ذبیحوں اور قربانیوں کے ساتھ نزدیکی اور قربت کی تلاش کرتے ہیں۔ اور میرے پاس صرف اپنا وجود یعنی اپنی جان ہی ہے

---

[1] آپ اہل کرامت بزرگ ہیں۔ ابو حفص حداد نیشاپوری کے سر و مرشد اور استاد تھے۔ جن کا انتقال ۲۶۲ھ سے ۲۶۳ھ کے درمیان بیان کیا جاتا ہے۔ نفحات الانس تذکرۃ الاولیاء میں شیخ فریدالدین عطار نے یہ واقعہ ابوحفص حداد سے منسوب کیا ہے

یہاں تک کہ انہی الفاظ کی تکرار میں ایک پُر سوز چیخ مار کر اپنی جان جانِ آفریں کو سپرد کی

حضرت داتا گنج بخش فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ شیخ ابوالعباس[1] شقانی قدس سرہ کی خدمت میں گیا دیکھا تو وہ رو رہے تھے اور یہ آیت پڑھ رہے تھے ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْکًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ یعنی مثال دی اللہ تعالیٰ نے ایک بندہ کی جو مملوک یعنی کسی اور کی ملکیت ہے اور کسی شے پر قدرت اور قابو نہیں رکھتا حضرت داتا گنج بخش شیخ علی ہجویری ثم لاہوری مصنف کشف المحجوب فرماتے ہیں کہ اس آیت کے پڑھنے سے ان کا جو حال ہو رہا تھا اور جس شدت سے وہ نعرے مار رہے تھے میں نے خیال کیا کہ وہ ضرور فوت ہو جائیں گے آخر میں نے بیتاب ہو کر کہا یا شیخ یہ کیا حال ہے فرمایا گیارہ سال ہو چکے ہیں یہ آیت میرا وظیفہ ہے پڑھتا ہوں اور اپنی بے بسی بیکسی پر روتا ہوں شیخ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی دہلوی علوم دینی کی تحصیل و تکمیل کے بعد رات کو دہلی کی جامع مسجد میں رہتے تھے صبح کے وقت مؤذن نے منارہ پر چڑھ کر ایک دن یہ آیت پڑھی اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ۔ یعنی کیا ایمانداروں کے لئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کا دل اللہ کے ذکر سے گڑگڑا اٹھیں اور خائف ہو جائیں۔ جب یہ آیت آپ نے سنی تو قلب پر ایک چوٹ لگی چہرے پر ایک نمایاں تغیر ہوا۔ ایسا معلوم ہوا کہ ہر طرف سے الوائے شروع ہو گئے ہیں اسی بیقراری کے عالم میں بعد سفر حج کے حضرت فرید الدین گنج شکر کے حضور میں گئے۔ ان سے آپ نے دعا طلب کی۔ اور مرتبہ کمال تک پہنچے

شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی جو غوث الاعظم کے نام سے مشہور ہیں ایک مرتبہ چھوٹی عمر میں ایک گائے کو چرانے کے لئے ایک کھیت میں لے گئے۔ گائے نے کہا عبدالقادر مَا لِھٰذَا خُلِقْتَ وَلَا بِھٰذَا اُمِرْتَ اے عبدالقادر تم اس لئے

---

[1] شیخ ابوالعباس کا اصل نام محمد بن احمد ہے بڑے بزرگ تھے حضرت داتا گنج بخش فرماتے ہیں مجھ کو ان سے بہت محبت تھی اور وہ بھی مجھ پر شفقت فرماتے تھے اور بعض علوم میں میرے استاد تھے [illegible])

نہیں پیدا کئے گئے۔ اور نہ اس کا تم کو حکم ہوا ہے۔ فرماتے ہیں۔ گائے کی زبان سے یہ الفاظ سنکر میری حالت متغیر ہوگئی۔ بلکہ میں خوف زدہ ہوگیا۔ اور گھبرا کر اور والدہ سے اجازت لیکر بغداد میں تحصیل علوم کے لئے چلا گیا۔

خواجہ قطب الدین بیجے جامی نیشاپوری[1] فرماتے ہیں۔ ایک دن خدائی جذبوں کے کمند کو اپنے دل کی گردن میں ڈال کر جنگل میں نکل گیا۔ اُسی حالت میں یہ آیت سنائی دی "واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا" یعنے پکار دے لوگوں کو حج کیلئے تیرے پاس آئیں فرماتے ہیں۔ اس آیت کا اشارہ ہوناتھا۔ کہ تعلقات کی رہی سہی زنجیریں بھی ٹوٹ گئیں۔ اور میں بغیر کسی تیاری کے پاپیادہ ہی بیت اللہ کی طرف روانہ ہوگیا۔

حضرت فضیل بن عیاض جو ابتدا میں چور اور ڈاکو تھے۔ ایک دفعہ اپنے خیمہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک قافلہ ان کے پاس سے گذرا جس میں ایک قاری صاحب اونٹ پر بیٹھے ہوئے نہایت خوش الحانی سے یہ آیت پڑھ رہے تھے "الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبہم لذکر اللہ" یعنے کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد کے لئے گڑگڑائیں اور اس کے دربار میں حاضر ہوں۔ یہ سنکر آپ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ نعرہ مارکر کہا فضیل اے عزیز کب تک لوٹ مار میں ضائع کرتا رہے گا۔ یہ کہکر ندامت بیقراری اور پریشانی کے عالم میں کسی ویرانہ کی طرف نکل گئے

حضرت بایزید بسطامی جو ہاتوں کے سلطان گذرے ہیں۔ ایک دفعہ ایک جامع مسجد میں گئے۔ خطیب نے ممبر پر یہ آیت پڑھی۔ "وما قدروا اللہ حق قدرہ" آپ سنتے ہی وجد میں آگئے۔ اور ممبر پر دیر تک ہاتھ مارتے رہے۔ اور آخر بیہوش ہوکر گر پڑے۔

شیخ منصور عمار ایک مرتبہ بہت رات گذرنے کے بعد اپنے مکان سے باہر نکلے تھوڑی دور جانے کے بعد ایک مکان سے ایک مناجات کی آواز سنی۔ جس کے

---

[1] پیدائش نیشاپور کی اور وطن جام ہے۔ شیخ رکن الدین علاؤ الدولہ۔ شیخ صدرالدین اردبیلی کی صحبت میں رہے۔ ... سات دفعہ حج کیا ہے۔ وفات آپ کی ۱۲ رجادی الآخر ... کو ہوئی آپ کی قبر ہرات میں ہے۔ ...

الفاظ یہ تھے۔ خداوندا اگر تو میری دستگیری نہ کریگا تو اسے کون کریگا۔ اگر تو معاف نہ کریگا تو اور کون کرے گا میں اپنے گناہوں کا بوجھ کہاں جا کر پھینکوں شیخ مسعود فرماتے ہیں یہ مناجات سن کر میں نے ایک نعرہ مارا اور یہ آیت پڑھی ۔

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یا ایھا الذین امنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا وقودھا الناس والحجارۃ الا یہ ترجمہ

اے ایمان والو تم اپنی جانوں کو اور اپنے گھروں کو آگ سے بچاؤ جس کے ایندھن آدمی ہیں اور پتھر۔

دن نکلنے پر آپ پھر اسی مکان پر گئے دیکھا تو ایک شور اور ماتم بپا ہے پوچھا کیا ہوا کہا رات کو ایک شخص نے اس مکان کے پاس آکر آیت پڑھی صاحب خانہ کا لڑکا جو نہایت صالح اور عاشق قرآن مجید تھا۔ اس کے سننے سے بے چین ہوگیا دیر تک تڑپتا رہا آخر ایک نعرہ مارا اور جان بحق تسلیم ہوگیا۔ یہ سنکر آپ نے فرمایا وہ آیت پڑھنے والا میں ہی ہوں ۔

حضرت ابوبکر وراق کا حال کو صاحب تذکرۃ الاولیاء نے موذب الاولیا لکھا ہے ایک لڑکا مکتب میں جایا کرتا تھا ایک دن جب وہ مکتب سے واپس آیا تو آپ نے دیکھا کہ اس کا رنگ اڑا ہوا ہے اور رو رہا ہے پوچھا بیٹا یہ کیا حالت ہے۔ کہا کیا عرض کروں آج استاد نے ایک ایسی آیت پڑھائی ہے کہ اس کے سننے اور پڑھنے سے بے حال ہوگیا ہوں دل بیٹھا جاتا ہے۔ اور اشک تھمنے میں نہیں آتے پوچھا وہ آیت کونسی ہے کہا یوما یجعل الولدان شیبا اس دن کہ جو بچوں کو بوڑھا بنا دیگا آخرکار وہ لڑکا بیمار ہوکر چند ہی دنوں میں راہی عدم ہو گیا حضرت ابوبکر وراق اس کی قبر پر جایا کرتے اور کہا کرتے تھے ۔ اے ابوبکر میرا بیٹا ایک ہی آیت کے سننے کی تاب نہ لاکر خدا کی راہ پر قربان ہوگیا تھا اور تجھے قرآن پڑھتے اتنے سال ہوگئے لیکن تجھ پر کوئی اثر نہ ہوا

مسلمانوں میں حضرت ذوالنون مصریؒ کی مشہور ولی تھے ۔ آپ کے زمانہ میں جب

کسی عرب کی ملازمت کرلی تو بزم عیش آراستہ رہنے لگی۔ اور تسلسل کے ساتھ جام کا دور رہتا۔ مؤرخ ابن یونس کہتے ہیں۔ اسی حالت میں انہوں نے ایک صاحب دل کو یہ آیت پڑھتے سنا۔ الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ یعنی ایمانداروں کے لئے کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل میں ذکر الٰہی سے خشوع و عاجزی پیدا ہو۔ اس آیت کا ان پر ایسا اثر ہوا کہ تمام مناہی سے توبہ کرلی۔ اور پھر کبھی اس طرف متوجہ نہ ہوئے۔ بلکہ ایک جہان کو اپنا گرویدہ کرلیا۔

دربار بغداد سے بھی ذوالنون کو تعلق تھا۔ وزیر اعظم فتح بن خاقان اور خلیفہ زادہ عبداللہ بن معتز ان کی بڑی عزت کرتے۔ اور جب کبھی مجلس میں آجاتے تو خلیفہ متوکل خود ان کی تعظیم کرتے بٹھاتے وعظ سنتے اور روتے ایک مرتبہ لوگوں نے ذوالنون کی بدگوئی کی۔ خلیفہ نے انہیں مصر سے بلوا بھیجا۔ دربار میں آئے۔ تو سر مجلس ان بعض الظن اثم الخ (بعض بدگمانیاں گناہ ہیں) کی تفسیر ایک دلگیر اور پُرسوز پیرایہ میں بیان کرنی شروع کی۔ تو خلیفہ بے اختیار ہو کر رونے لگا۔[۲]

خلافت فاروقی میں محاصرہ دمشق کے وقت کچھ اسلامی سپاہ فحل اور بیسان کی طرف روانہ کی گئی تھی۔ یہاں پچاس ہزار عیسائی قلعہ بند تھے۔ امین الامۃ حضرت ابوعبیدہ جب لشکر لے کر فحل میں پہنچے۔ تو عیسائیوں نے نہر کا بند توڑ دیا۔ جس سے تمام میدان میں سیلاب آگیا۔ اور لشکر اسلام کو سخت نقصان پہنچا۔ ایک شب عیسائیوں نے مسلمانوں پر شبخون مارا۔ لیکن وہ غافل نہیں تھے۔ حضرت سیف اللہ خالد بن ولید نے بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا۔ لیکن اسی اثنا میں عیسائیوں کا ایک اور لشکر للکارتا ہوا لشکر اسلام پر آیا۔ حضرت سیف اللہ خالد بن ولید نے اپنی قلیل اور دشمن کی کثیر جمعیت

---

[۱] تذکرۃ الاولیا مولانا فریدالدین عطار میں فضیل بن عیاض کی توبہ کے متعلق بھی یہی آیت لکھی ہے۔ ذوالنون مصری کی توبہ کی روایت الندوۃ کے ایک مضمون ذوالنون مصری مرقومہ مولانا عبداللہ عمادی سے نقل کی گئی ہے۔

[۲] تاریخ ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۱۰۱ از الندوۃ۔

دیکھ کر اپنے لشکر کو پرجوش لہجہ میں یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ یا ایہا الذین امنوا اذا
لقیتم فئۃ فاثبتوا واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون ۰ واطیعوا اللہ ورسولہ
ولا تنازعوا فتفشلوا وتذہب ریحکم واصبروا ان اللہ مع الصابرین ۰

ترجمہ۔ اے ایمان والو جب تم (کافروں کی) کسی فوج سے ملو تو ثابت قدم رہو۔
اور اللہ پاک کو بہت یاد کیا کرو۔ تم ضرور فلاح پاؤ گے۔ اور خدا اور خدا کے رسول کی
اطاعت کرو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔ تم نامرد ہو جاؤ گے۔ اور تمہاری بندھی
ہوئی ہوا جاتی رہے گی۔ اور صبر کرو تحقیق اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے
رومی فوجوں کے حملے بڑے سخت تھے۔ ان کی تعداد سب سے زیادہ بھی لیکن
حضرت سیف اللہ کا اس آیت کو تلاوت کرنا جادو کا کام کر گیا۔ اسلامی لشکر ان
اللہ مع الصابرین کے نعرے لگاتا ہوا دشمن پر ٹوٹ پڑا یہاں تک کہ رومی
بہت سی جانیں چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا۔

لیکن ابھی اس بات کو بہت تھوڑا عرصہ گزرا تھا۔ کہ رومیوں کا دوسرا
سپہ سالار سکلار نامی اپنی تمام تازہ دم فوج لے کر میدان میں آ گیا جس سے لڑائی کا
رنگ ہی بدل گیا اسلامی سپاہ میں سب سے آگے حضرت خالد بن ولید تھے۔ یہ
نازک حالت دیکھ کر آپ کی حرارت اسلامی نے جوش مارا اور اس وقت آپ نے
یہ آیت بڑے پرزور لہجہ میں پڑھ کر سنائی " فلیقاتل فی سبیل اللہ الذین
یشرون الحیوۃ الدنیا بالآخرۃ ومن یقاتل فی سبیل اللہ فیقتل او یغلب
فسوف نؤتیہ اجرا عظیما ۰ ترجمہ۔ سو چاہیئے لڑیں اللہ کی راہ میں جو بیچتے
ہیں دنیا کی زندگی آخرت پر۔ اور جو کوئی لڑے اللہ کی راہ میں پھر مارا جائے یا غالب
ہو ہم دیں گے اس کو بڑا اجر (ثواب)

مسلمانوں میں جو جوش اس آیت سے پیدا ہوا۔ قلم میں طاقت نہیں کہ بیان
کر سکے۔ اس جوش اس اثر اور اس کیف و وجد کا جو اس آیت شریفہ سے پیدا ہوا اندازہ
اندازہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے یکبارگی حملہ سے عیسائیوں کے ہوش و حواس جاتے رہے

سفیں کی صفیں اُلٹ گئیں۔ عیسائی اپنے بڑے بڑے افسروں اور سپاہیوں کی بے شمار لاشیں میدان میں چھوڑ کر بھاگے۔ غرض انہوں نے صلح کی درخواست کی۔ جو منظور کی گئی[1]۔ (شمس التواریخ حصہ دوم صفحہ ۲۳)

احمد بن مقاتل عکّی کہتے ہیں کہ میں ماہ مبارک رمضان میں ایک رات امام کے پیچھے شبلی کے برابر صف میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔ امام نے تلاوت کرتے کرتے آیہ کریمہ "وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ" پڑھی۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو (اے محمدؐ) ہم نے تجھ پر جو وحی بھیجی ہے۔ اُسے واپس لے لیں۔ یہ آیت سنتے ہی شبلی نے اس زور سے چیخ ماری کہ میں سمجھا اس چیخ کے ساتھ ہی ان کی روح پرواز کر گئی۔ تھوڑی دیر بعد ان کی یہ حالت تھی کہ کانپتے تھے۔ اور بار بار کہتے تھے "دوستوں سے یوں خطاب کیا جاتا ہے؟ تو پھر بھلا ہم ایسے لوگوں سے کیا خطاب ہوگا[2]"۔

---

[1] تاریخ فتوح البلدان۔ ابن اثیر۔ ابن خلدون وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ۶۳۸ھ کا ہے۔ مگر بعض مورخین اس واقعہ کو ۱۲ھ ہجری کے واقعات پر تحریر کرتے ہیں کہ ۵ھ تک ... [illegible]

حصّہ دوم

برقِ طور

تیسری صدی ہجری کا ذکر ہے کہ بغداد کے ایک مکان میں ایک نوجوان عورت بڑی دلکش لَے میں یہ اشعار گا رہی تھی

اذا قُلتُ اهدی الهجرُ لی حُلَلَ البلیٰ — تقولین لولا الهجرُ لم یطبِ الحبُ

جب میں کہتا ہوں کہ ہجر نے مجھے مصیبت کے خلعت عطا کئے تو وہ جواب دیتی ہے۔ کہ اگر ہجر نہ ہوتا تو محبت میں مزہ بھی نہ تھا۔

وان قلتُ هذا القلبُ احرقهُ الهویٰ — تقولی بنیرانِ الهویٰ شرفَ القلبُ

اور اگر کہتا ہوں کہ عشق نے اس دل کو پھونک دیا تو وہ کہتی ہے کہ عشق کی آگ ہی نے تو دل کو شرافت عطا کی ہے۔

وان قلتُ ما اذنبتُ قالت مجیبةً — حیاتُک ذنبٌ لا یُقاسُ بهِ ذنبٌ

اور اگر کہتا ہوں کہ میں نے کیا خطا کی تو جواب دیتی ہے کہ خود تیری زندگی ہی اتنا بڑا گناہ ہے جس کے برابر کوئی گناہ نہیں ہو سکتا۔

ان اشعار اور اس دلربا گلے نے شاید بہتوں کو اپنی کشش سے راستہ روک کے کھڑا کر دیا ہوگا۔ بہتوں کی زبان سے بے اختیار "واہ واہ" کا کلمہ تحسین نکل گیا ہوگا۔ اور بہتوں نے متاثر ہو کے ٹھنڈا سانس بھی لیا ہوگا اور یہ شغل روزمرہ کا سا ہو گیا ہوگی لیکن ان سب کے مذاق سے الگ ایک پاکباز و صاحبِ باطن رہرو پر یہ نغمہ اور یہ جادو بھری آواز قیامت کا اثر کر گئی۔ اس نے سنتے ہی ایک نعرہ مارا۔ اور اس پر ایسا عالمِ وجد طاری ہوا کہ دروازے پر کھڑا ہو کے ستون کی طرح جھومنے لگا۔ اس کا نعرہ سنتا ہی سب کے راہگیر ٹھٹک کے کھڑے ہو گئے قریب و جوار کے لوگ شوق ہمدردی سے دوڑ پڑے۔ اور خود مالک مکان

بھی گھبرا کے باہر نکل آیا۔ مالک مکان نے باہر آتے ہی پوچھا "کیا ہوا؟" اس از خود رفتہ صاحب دل نے عجز و فروتنی سے جواب دیا "مجھے اس نغمے نے بیتاب کر دیا" اس کے بعد گانے کی آواز سننا اور اپنا بے تاب ذہبے خود ہو جانا غرض ساری سرگذشت صاف صاف اور بلا کم و کاست کہہ سنائی مکان والا بھی اہل دل کا قدر شناس۔ فیاض اور منچلا تھا۔ ایک شریف و نیک سیرت شخص کو اس بیتابی و مدہوشی کے عالم میں دیکھ کے عرض کیا "حضرت یہ میری لونڈی کی آواز تھی۔ آپ کو اس سے دلبستگی پیدا ہو گئی ہے تو وہ آپ ہی کی ہے"۔ یہ کہتے ہی اندر جاکے لونڈی کو باہر نکال لایا۔ اور اس کا ہاتھ ان بزرگ کے ہاتھ میں دے کے کہا "اب یہ آپ کی ہو چکی۔ آپ کو اختیار ہے چاہے یونہی اپنے تصرف میں لایئے۔ اور چاہے آزاد کر کے نکاح پڑھا لیجئے"۔ یہ بزرگ بھی کوئی معمولی شخص نہ تھے۔ ان کی بے خودی کسی شہوانی جوش اور سیہ کاری کے جذبے کا نتیجہ نہ تھی۔ لونڈی پر قابو پایا۔ تو اسی جگہ اور اسی مقام پر آزاد کر کے اپنی خانقاہ کے ایک شریف و ہم مذاق دوست کے ساتھ اس کا نکاح پڑھ دیا اور آگے کی راہ لی۔[1]

اس واقعہ کی یادگار میں ادھر اس لونڈی کے بطن سے تو چند روز بعد ایک صاحب علم و فضل لڑکا پیدا ہوا جس نے پاپیادہ تیس حج کیے۔ ادھر ان بزرگ کی بھی عجیب حالت ہو گئی۔ یہ نغمۂ دلکش ان کے پرشور دل پر کچھ ایسا اثر کر گیا تھا۔ کہ اسی ایک سریلی تان اور جادو بھری آواز نے سچی فنائیت کے رتبے پر پہنچا کے ولی کامل بنا دیا۔

یہ بزرگ کون تھے؟ انہیں کوئی گمنام و غیر معروف شخص نہ خیال کرو۔ یہ ایک بڑے اعلیٰ پائے کے ولی کامل تھے۔ اور وہ شخص تھے جن کا نام حقیقت و عرفان کے عالم میں ہمیشہ آفتاب عالمتاب کی طرح چمکتا رہیگا یعنی حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کے نام کا ساری دنیا ادب کرتی ہے جنہوں نے ریاضت و نفس کشی اور صفائے باطن کے اعتبار سے اسلام میں امامت کا مرتبہ حاصل کیا ہے۔ جنہیں مشائخ باطن اپنا پیشوا و تسلیم کر کے "سید الطائفہ" کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔[2]

---

[1] وفیات الاعیان لابن خلکان ۔ حالات جنید بغدادی رح [2] تذکرہ جنید بغدادی ۔

حضرت شیخ ابو بکر شبلی ؒ ایک دن دریائے وحدت میں ڈوبے ہوئے اور عشق الٰہی سے بیتاب و بیقرار نہ معلوم وضع سے اپنے مرشد حضرت جنید کی خدمت میں حاضر ہوئے سامنے آکے ادب سے کھڑے ہوگئے اور انتہا درجے کی بیتابی کے ساتھ اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور جوش و خروش سے یہ اشعار پڑھے۔

عودونی الوصال والوصل عذب ورمونی بالصد والصد صعب

مجھے وصل کا عادی بنایا اور وصل شیریں ہے۔ اور روگردانی سے مجھے رمی کیا اور روگردانی بڑی دشوار چیز ہے۔

زعموا حین ازمعوا ان ذنبی فرط حبی لھم وما ذاک ذنب

مجھے رمی کرنے کا ارادہ کرتے وقت وہ سمجھے کہ میرا گناہ یہی ہے کہ مجھے ان سے زیادہ محبت ہے حالانکہ یہ کوئی گناہ کی بات نہیں۔

لا وحق الخضوع عند التلاقی ماجزاء من یحب ان لا یحب

اس فروتنی کی قسم جو وصال کے وقت ہوا کرتی ہے محبت کرنے والے کی سزا یہ نہیں ہے کہ محبت ہی نہ کرے

یہ اشعار سن کے حضرت جنید نے بھی بیتابی کے ساتھ یہ پُر جوش و پُر حسرت شعر پڑھ دیا۔

وتمنیت ان اراک فلما ان رایتک علبت وھشۃ السرور فلم املک البکا

اور مجھے تیرے دیکھنے کی تمنا تھی لیکن جب دیکھا تو مسرت کی حیرانی اس درجہ طاری ہوئی کہ جوش گریہ کو نہ روک سکا [1]

جب حضرت جنید کا انتقال ہوا۔ اور جب لوگ قبرستان سے واپس پلٹے تو ایک مجذوب فقیر نے جو جنازہ کے ساتھ تھا حضرت جنید کے خلیفہ اور جانشین ابو محمد جریری سے کہا کہ تمہارا خیال ہے کہ اس سردار کو ہاتھ سے کھو کر اب تم واپس اپنے مقام پہ جا سکو گے۔ اس کے بعد یہ اشعار پڑھے۔

---

[1] وفیات الاعیان لابن خلکان۔

فوا اسفا من فراق قوم ۔ ھم المصابیح والحصون

ہائے! افسوس ان لوگوں کے فراق میں جو چراغ (ہدایت) اور قلعہ (اہلِ شبیلان سے بچنے کے سائتہ) تھے۔

والمدن والمزن والرواسی ۔ والخیر والامن والسکون

اور شہر تھے۔ اور ابر تھے۔ اور پہاڑ تھے ۔ اور نیکی تھے اور امن تھے اور سکون تھے

لم تتغیر لنا اللیالی ۔ حتیٰ توفتھم المنون

ہمارے حق میں راتوں (زمانے) میں انقلاب نہیں ہوا یہاں تک کہ موت نے ان کی زندگی ختم کردی۔

فکل جمر لنا قلوب ۔ وکل ماء لنا عیون

تو سب چنگاریاں گویا ہمارے دل ہیں اور سارے چشمے گویا ہماری آنکھیں ہیں

یہ اشعار ختم کرتے ہی وہ ایک طرف بھاگا چلا گیا۔ اور اس کے بعد کبھی اس کی صورت نہ دکھائی دی[1]۔

حضرت ابوبکر شبلیؒ ایک واقعہ کا بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا ایک مجنوں چلا جاتا ہے۔ اور بازار کے لڑکے اس کے پیچھے ہیں جو اسے کھینچ کھینچ کے پتھر مار رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ان پتھروں سے اس غریب کا سر پھٹ گیا۔ اور سارا منہ خون آلود ہے یہ حالت دیکھ کے میں نے لڑکوں کو جھڑکا اور ڈانٹا کہ "کیوں اس غریب کو ستاتے ہو؟" لڑکوں نے کہا "جناب آپ اس میں دخل نہ دیں۔ ہم اسے بے مارے نہ رہینگے۔ یہ کمبخت تو کافر ہے!" میں نے کہا "تم نے کیسے جانا کہ یہ کافر ہے؟" سب بولے "جناب اس کے دل میں سمائی ہوئی ہے کہ میں خدا سے ملتا ہوں۔ اور اس سے باتیں کرتا ہوں" تب میں نے کہا "اچھا ذرا ٹھیرو میں اس سے دو تین باتیں کرلوں" پھر جب اس مجنوں کے قریب گیا تو دیکھا کہ آپ ہی آپ باتیں کرتا اور ہنس ہنس کے کہہ رہا ہے "بس یہ تو نے خوب کیا کہ ان لڑکوں کو مجھ پہ مسلط کر دیا تاکہ ستائیں" میں نے کہا "تم نے سنا بھی کہ لڑکے کیا کہتے ہیں؟" فوراً

[1] تذکرہ جنید بحوالہ طبقات الکبریٰ۔

میری طرف دیکھ کے ہنسے کہا "ابن شبلی! پھر پوچھا کیا کہتے ہیں" میں نے کہا کہتے ہیں کہ تم اپنے گمان میں خدا کو دیکھتے اور اس سے باتیں کرتے ہو" یہ الفاظ سنتے ہی اس نے جوش و خروش سے ایک نعرہ مارا اور کہا شبلی قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے اپنی محبت میں مبتلا کیا اور پھنسا ہے قرب و بعد کے درمیان میں لٹکا رکھا ہے ایک چشم زدن کے لئے بھی اگر وہ میری نظر سے اوجھل ہو جائے تو میں صدمہ فراق سے تڑپ تڑپ کے پاش پاش ہو جاؤں" پھر یہ شعر پڑھا۔

خیالک فی عینی و ذکرک فی فمی   و مثواک فی قلبی فاین تغیب

تیرا خیال میری آنکھوں میں ہے تیرا ذکر میری زبان پر ہے اور تیرا مقام میرے دل میں ہے۔ پھر تو کہاں چھپ کے جائیگا؟) اور یہ شعر پڑھتا ہوا بھاگا چلا گیا۔[1]

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اپنی کتاب عوارف المعارف میں لکھتے ہیں ایک مرتبہ ایک شخص یہ شعر پڑھ رہا تھا ؎

اسائل عن سلمی فهل من مخبر   یکون له علم لها این تنزل

سلمیٰ کو پوچھتے ہو۔ بھلا کوئی خبر دینے والا ہے جو جانتا ہو اور بتائے کہ وہ کہاں جا کے ٹھہرے گی

حضرت شیخ شبلیؒ نے جب یہ شعر جو جذب و محویت کے عالم میں ڈوبا ہوا تھا سنا تو تڑپ اٹھے۔ اور ایک نعرہ مستانہ مارا اور بولے خدا کی قسم دونوں جہان میں کوئی خبر دینے والا نہیں۔

ایک دن مغنی کو گاتے سن کے عین حالت سماع میں بے خود ہو کے زور و شور سے ایک نعرہ مارا لوگوں نے کیفیت پوچھی تو بجائے اس کے کہ کچھ بیان کریں مشہور شاعر عرب کثیر کا جذب و ذوق عشق میں ڈوبا ہوا شعر پڑھا

لو یسمعون کما سمعت کلامها   خروا لعزة رکعا و سجودا

جس طرح میں نے اس کی باتیں سنی ہیں اگر یہ سب لوگ سن پاتے تو عزہ

---

[1] تذکرہ ابو بکر شبلی بحوالہ روض الریاحین یافعی ص ۵۲۔

(میری معشوقہ) کے آگے رکوع و سجود کر پڑتے ہیں۔[۱]

عبداللہ بن علی نام ایک بزرگ کا بیان ہے کہ ایک رات کو میں اور شبلی ایک محفل سماع میں شریک تھے۔ قوال نے کچھ گایا۔ اور شبلی نے اس پُر اثر نغمہ سے متاثر ہو کے ایک نعرہ مارا۔ اور بیٹھے بیٹھے وجد و بیخودی کی حالت طاری ہوئی۔ اب اور سب لوگ تو کھڑے ہوئے تھے۔ مگر آپ بیٹھے تھے۔ اہل مجلس میں سے کسی نے کہا۔ ابوبکر یہ کیا کہ تمام اہل محفل تو کھڑے ہیں۔ مگر آپ بیٹھے ہوتے ہیں؟ یہ بات سن کے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مگر حالت مستی بدستور تھی۔ اب آپ نے ابونواس کا یہ شعر پڑھا

لِی سَکْرَتَانِ وللندمان وَاحِدَۃٌ ۔۔۔ شَیٌٔ خُصِصْتُ بِہٖ مِن بَینِہِم وَحْدِی

مجھے دو نشے ہیں۔ اور ہم صحبتوں کو ایک اور یہ ایسی بات ہے کہ ان سب میں سے صرف میرے ہی لئے مخصوص ہے۔[۲]

بعض لوگوں نے حضرت ابوبکر شبلی کو عالم وجد میں دیکھا کہ اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے ہیں۔ اور ستانہ وار یہ اشعار پڑھ رہے ہیں۔

شَقَقْتُ جَیبِی عَلَیکَ شَقّاً ۔۔۔ وَمَا لِجَیبِی عَلَیکَ حَقّاً

میں نے اپنے گریبان کو پھاڑ ڈالا حالانکہ گریبان کا تجھ پر کوئی حق نہ تھا یعنی اسے کچھ تعلق نہ تھا۔

اَرَادَتْ قَلبِی فَصَادَ نَشْبہٖ ۔۔۔ بَدَا اَیِ یَالْحَبِیبِ اِذ سُوفا

میں نے تو دل ہی کے ارادے سے ہاتھ بڑھایا تھا۔ مگر گریبان نے ہاتھ کو روکا اور پھٹ گیا۔

لَوْکَانَ قَلْبِی مَکَانَ جَیبِی ۔۔۔ لَکَانَ بِالشَّقِّ مُسْتَحِقّاً

اگر میرے گریبان کی جگہ میرا دل پھٹا ہوتا تو وہ بے شک چاک ہونے کا زیادہ مستحق تھا۔[۳]

ابوبکر خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں بیان کیا ہے کہ ایک دن ابوالحسن۔

---

[۱] تذکرۃ الاولیا [۲] تذکرہ شبلی بحوالہ قشیریہ ۲۰۶ [۳] تذکرہ شبلی حوالہ روض الریاحین ۲۸۰

حضرت ابوبکر شبلی کے گھر میں گئے تو دیکھا کہ جوش میں آ کے وہ یہ اشعار پڑھ رہے ہیں

علی بعد ک لا یصبر من عادته القرب

تیرے فراق میں وہ شخص صبر نہیں کر سکتا جسے پاس رہنے (وصل)

کی عادت پڑی ہوئی ہو۔

ولا یقوی علی ہجرک من تیمه الحب

اور ہجر کے برداشت کرنے کی وہ شخص قوت نہیں رکھتا جسے

دوچار کر دیا ہے۔

فان لم ترک العین فقد یبصرک القلب

تو اگر تجھے آنکھ نہیں دیکھتی تو دل دیکھ رہا ہے

حضرت سری سقطی طبقہ اول کے صوفیا میں تھے۔ انتقال ۲ رمضان

۲۵۳ھ کو ہوا۔ یہ حضرت جنید کے ماموں اور استاد تھے حضرت جنید فرماتے ہیں

میں آپ کے گھر گیا رونے کی آواز آئی اندر گیا تو دیکھا آ

ہیں اور روتے ہیں۔ اور یہ شعر پڑھ رہے ہیں

لا فی النہار ولا فی اللیل لی فرح فلا ابالی اطال اللیل ام قصرا

راتیں لمبی ہوں یا چھوٹی مجھے ان کی پرواہ نہیں مجھے تو اس کی جدائی میں

دن کو میں ہے نہ رات کو

عمرو بن عثمان مکی صوفی دوسرے طبقہ کے صوفیاء میں سب سے نامور ہوئے جنہیں

ابن منصور حلاج آپ ہی کے شاگرد تھے آپ کی وفات ۲۹۱ھ سے ۲۹۷ھ کے اندر

کسی سال میں بیان کی جاتی ہے ایک نوجوان آپ کی صحبت میں آیا۔ اس کے باپ

نے اس کو منع کیا کہ ان لوگوں سے کیا حاصل ہے۔ پیٹ کو بھی کچھ کمانا ہوگا۔ غرض

اس نے آنا بند کر دیا۔ لیکن دفعتاً بیمار ہو گیا۔ عمرو بن عثمانؒ کو عیادت کے لئے طلب

کیا۔ یہ اپنی جماعت کے ہمراہ اس کے مکان پہنچ گئے۔ قوال ساتھ تھے بیمار نے کہا

۱۔ تذکرہ غزلی بحوالہ ابن خلکان ۳۲۵

حضرت۔ اس کو کہتے کچھ پڑھے۔ قوال نے یہ اشعار پڑھے۔

مالی مرضت فلم یعد نی عاید ــــ منکم و یمرض عبدکم فاعود

واستد و من مرضی علی صدودکم ــــ وصدود عبدکم علی شدید

یہ کیا بات ہے کہ میں بیمار رہتا ہوں تو تم میں سے کوئی بھی میری عیادت کو نہیں آتا۔ لیکن تمہارا غلام بھی اگر بیمار ہو جائے تو میں اس کی بیمار پرسی کرتا ہوں اور میری بیماری سے سخت زیادہ مجھ کو تمہاری رکاوٹ ہے۔ اور تمہارے غلام کی رکاوٹ اور بھی سخت ہے۔

ان اشعار سے بیمار کے دل کی عجیب کیفیت ہوئی۔ جس مرض کے علاج میں شہر کے نامی طبیب عاجز رہ گئے تھے۔ وہ دو شعروں سے دور ہو گیا۔ اور جو بیمار درد اور بےچینی کی وجہ سے بے قرار رہتا تھا۔ اب اطمینان و سکون کی حالت میں تھا۔ مولانا جامی نفحات الانس میں لکھتے ہیں۔ بیمار پر اشعار کا جوں جوں اثر ہوتا تھا۔ اس کی صحت میں ساتھ ہی ساتھ نمایاں فرق آتا تھا پہلے ہی شعر پر اس میں اٹھ کر بیٹھ جانے کی طاقت آگئی۔ اور دوسرے شعر کے خاتمہ پر اس کو بیماری سے بالکل نجات ہو گئی۔ اس کے باپ نے توبہ کی۔ اور اپنے بیٹے کو عمرو کے سپرد کر دیا۔ جو پیرو مرشد کی برکت سے بزرگان طریقت میں مشہور ہوا۔

امام المحبت سمنون بن حمزہ حضرت جنیدؒ کے ہمعصروں میں ہو گئے ہیں۔ ایک دن لوگوں نے ان کو دجلہ کے کنارہ پر دیکھا۔ کہ لکڑی کی شاخ اپنی ران پر مارتے ہیں ران زخمی ہو گئی ہے۔ جس سے خون بہتا ہے۔ لیکن آپ اس کی مطلق پرواہ نہیں کرتے بلکہ جوش و خروش، اور چھڑی کی تان کے ساتھ اشعار ذیل پڑھ رہے ہیں۔

کان لی قلب اعیش بہ ــــ ضاع منی فی تقلبہ

رب فارددہ علی فقد ــــ ضاق صدری فی تطلبہ

ودعنا مادام لی رمق ــــ یاغیاث المستغیثین بہ

یعنی میرا ایک دل تھا جس سے میری زندگی تھی۔ وہ بلٹا کھا کر ضائع ہو گیا

اے پروردگار اس کو پھیر لوٹا دے۔ کیونکہ میرا سر اس کی طلب میں بے قرار ہے اور جب تک محمد میں جان باقی ہے اے فریاد والوں کے فریاد رس میری فریاد رسی کر۔

رہروں مغربی ایک علم الٰہی بزرگ گذرے ہیں جن کا انتقال مکہ معظمہ میں ہوا ہے ایک دفعہ درویشوں کی جماعت کے ساتھ باہر سیر کو گئے ہمراہیوں میں سے کسی نے یہ دو شعر پڑھے ؂

وسامرنی نومی الکری کمہ   لم یول یلمع لی من سالی طوی

منزل سلمی بہ بارسمہ   طاب المساحتہ محموس القساء

یعنے مرو شی چمکی اور اس سے میری نیند دور کر دی۔ اور وہ ورطو اسے ہمیشہ چمکتی تھی ۔ وہ مقام ہے جہاں سلمی اُتری تھی جس کا میدان عمدہ ہے اور جس کا گرد اگرد آباد ہے۔

رہروں مغربی کی طبیعت میں دفعتاً ایک کیفیت پیدا ہو گئی یہ اشعار سن کر ایک شور مچایا چند نعرے مارے اور کہا اب واپس چلو میں نے سیر کر لی۔

ابو یعقوب ن ربری سماع کے پاس بیٹھے ایک دفعہ ایک قوال نے یہ شعر پڑھا۔

لو استدب میتا الی نحر حصا   ماتی دلمد یصل الی القابر

یعنے اگر محبوب مردہ کو اپنی گود میں تکیہ دے تو وہ زندہ ہو جائے۔ اور قبر کی طرف نہ جانے پائے۔ ابو یعقوب ربری نے جو بیٹھے ہوئے تھے۔ اپنے ہاتھوں کو ملتے کے پیچھے سے زمین پر رکھا۔ اور سیدھا کھڑا کر کے آنکھیں آسمان کی طرف کر لیں۔ اور کہا اسی کو پڑھو۔ اور بار بار پڑھو والے میرے سوا اور کوئی اس کی لذت سے آگاہ نہیں ہے۔ اسی جوش و خروش میں ان کی رگوں سے خون نکلنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ بیہوش ہو گئے۔ لوگوں نے ان کو سنبھالا ہاتھوں دھویا۔ اور زخم پر کپڑا باندھ دیا۔

ابو بکر بن طاہر جو ۔۔۔ تشبلی کے ہمعصروں میں سے تھے فرماتے ہیں میں نے

ایک بزرگ کو دیکھا۔ روتا اور چیختا چلاتا تھا۔ اور یہ شعر پڑھتا تھا ؎

الا رب من یدنو ویزعم انہ   یحبک والنائی اود واقرب

ترجمہ۔ یاد رکھو۔ بہت سے جو قریب ہیں گمان کرتے ہیں۔ کہ وہ تیرے دوست ہیں لیکن بعض دور کے رہنے والے زیادہ دوست اور زیادہ قریبی ہیں۔ سچ ہے ؎

چاہے تو ڈالدے وہ دوزخ میں زاہدوں کو   کس وہم میں پڑے ہیں ہم وگمان والے

ابوبکر سفار فرماتے ہیں۔ میں کشتی پر سوار تھا۔ دفعتاً ہوائے مخالف نے تمام کشتی والوں کے اوسان خطا کر دیئے۔ لوگ روتے تھے اور دعا کرتے تھے کشتی میں ایک گدڑی فروش فقیر بھی تھا جس نے اپنے سر اور منہ کو بھی گدڑی سے چھپایا ہوا تھا۔ لوگوں نے اس کے پاس جا کر دعا کی درخواست کی۔ اس نے گدڑی سے سر باہر نکالا۔ اور ایک مصرع پڑھا ع

عجبت لقلبک کیف انقلب

تعجب ہے کہ تیرا دل مجھ سے کیوں پلٹ گیا۔ یہ کہکر سر کو پھر گودڑی میں چھپالیا۔ لوگوں نے کہا عجیب دعا ہے۔ ہماری جان پر بنی ہے۔ اور یہ شاعری کر رہا ہے۔ آپ نے پھر سر باہر نکالا۔ اور کہا ع

وشدة حبک لی لم ذھب

تیری محبت جو مجھ سے تھی۔ وہ کیوں جاتی رہی۔ لوگ پھر حیران ہو گئے لیکن اس عرصہ میں ہوا کچھ کم ہو گئی۔ اور لوگوں کی جان میں جان آ چکی تھی لوگوں نے کہا۔ کچھ اور کہئے۔ آپ نے یہ دو شعر پڑھے ؎

واعجب من ذا و ذا اننی   اراک بعین الرضا فی الغضب

فان جدت باالوصل احییتنی   والا بطرائق العطب

یعنے ان سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ میں تجھے غضب کی حالت میں بھی خوشی کی آنکھ سے دیکھتا ہوں۔ اگر تو اپنے وصل سے مجھ پر بخشش کرے تو مجھے زندہ کر سکتا ہے۔ ورنہ یہ طریقہ دیکھو نظر آ رہا ہے ہلاکت کا ہے۔ ان شعروں کے

حالتِ پریشانی کی نوعیں ساکن ہوگئی تھیں اور ہوائی الواقعہ ہوا ساکن ہوگئی تھی۔
طاوس[1] الحرمین حضرت ابوبکر طرطوسیؒ کا بیان ہے کہ میں مکہ معظمہ میں ایک شخص کا مہمان تھا ایک دن اس کی لونڈی سے جو لعلی پڑھتی تھی ساتھ ست کردینے والی آواز میں یہ شعر پڑھا۔

لامنی فیک معشر ۔۔۔ فلما قتلوا واکثروا

یعنی تیرے متعلق پہلے تو لوگوں نے مجھے ملامت کی۔ اور پھر اسکو گھٹایا بڑھایا ایک اللہ کا بندہ آواز سن رہا تھا اس نے ایک نعرہ مارا اور کہا تیری محبت میں سوا پیرے او کسی نے ملامت نہیں کی۔ یہ کہکر گر پڑا۔ دیکھا تو مرغ روح قفس عنصری سے پرواز کرچکا تھا۔
ابو القاسم سارنجؒ مکہ معظمہ میں ابوایوب بخاری کے ہاں مہمان تھے مجلس سماع گرم ہوئی۔ قوال نے یہ اشعار پڑھے ؎

کل بیت انت ساکنہ ۔۔۔ غیر محتاج الی السراج
وجہک المامول حجتنا ۔۔۔ یوم یاتی الناس بالحجج
لا اتاح اللہ لی فرجا ۔۔۔ یوم ادعو منک بالفرج

ترجمہ۔ جس گھر میں تم رہتے ہو اس کو چراغ کی ضرورت نہیں۔ تیرا مبارک چہرہ لوگ دلائل پیش کرینگے ہماری دلیل جس دن کہ میں تجھ سے رہائی چاہوں خدا مجھکو رہائی نصیب نہ کرے۔
اور لوگوں پر جذبات سے کیا اثر ہوا لیکن جو حالت ابو القاسم کی ہوئی وہ حیرت انگیز تھی۔ اس نے داہنا ہاتھ گریبان سے باہر نکالا اور ایک نعرہ لگا کر گر پڑا لوگوں نے دیکھا تو روح ہوا ہوچکی تھی۔[2]
نیشاپور کی ایک مسجد کے ایک گوشہ (حجرہ) میں ایک ناصر ارولیتی ہو کرتا تھا

---

[1] حرمین مجاورت کی وجہ سے طاوس الحرمین آپ کا نام مشہور ہو گیا۔ ۵۲۰ھ میں وہیں انتقال فرمایا۔ [2] سماع نامہ

ادھر ایک قوال بھی آنکلا درویش نے کہا کچھ کہو تا کہ ہم بھی اپنی خوشی ظاہر کریں قوال نے یہ دو شعر پڑھے ؎

الفیت منی وبین الحب معرفۃ لا تنقضی ابدا
او خارج من الدنیا و حیکم بین الجوانح لم یشعر بہ احد

یعنی میں نے اپنی اور تمہاری محبت کے درمیان ایسی آشنائی پیدا کی ہے کہ وہ اس وقت تک ختم نہ ہوگی۔ جب تک ابد (قیامت) ختم نہ ہو جائے۔ میں دنیا سے ایسے وقت جاؤنگا۔ کہ تمہاری محبت میری پسلیوں میں ہوگی جس کو کوئی معلوم بھی نہیں کرسکیگا۔

درویش ان اشعار کو سنکر تڑپتا اور لوٹتا تھا ظہر اور عصر کے درمیان جب اس کا اضطراب جاتا رہا وہ بیہوش ہوگیا۔ دیکھا تو جسم بیجان تھا۔

بصرہ اور کوفہ کے درمیان ایک شہر ابلہ ہے۔ اس شہر میں ایک صوفی ایک مکان کے نیچے سے گذر رہا تھا جب اس شعر کی آواز آئی تو ٹھٹھر کر رہ گیا ؎

کل یوم تتلون غیر ھذا بک احسن کل یوم تتحول غیر ھذا بک اجمل

یعنی۔ تو ہر روز رنگ بدلتا ہے۔ اور سوا اس کے تجھے بہت اچھا معلوم ہوتا ہے تو ہر دن کو بھی بدلتا رہتا ہے۔ اور سوا اس کے تجھے بہت خوب ہے۔

دیکھا تو یہ مکان ایک امیر کبیر کا ہے۔ اور اس کی لونڈی گا کر اپنے آقا کو خوش کر رہی ہے۔ درویش نے لونڈی کی طرف گردن اٹھا کر کہا تجھے خدا کی قسم۔ تجھے اپنے آقا کی قسم اسی شعر کو پڑھتی رہو چنانچہ جب اس نے تین چار مرتبہ اسی کا تکرار کیا تو مالک نے وجہ دریافت کی۔ اس نے کہا ہمارے مکان کے نیچے ایک درویش کو اس شعر پر وجد آرہا ہے۔ اور وہ خوش ہو رہا ہے۔ اس لئے دُہرا رہی ہوں۔ مالک مکان نے نیچے دیکھا تو درویش مست ہو ہو کر رقص کر رہا تھا آخر بلند آواز سے ایک نعرہ مارا۔ اور جان بحق تسلیم ہوگیا۔ مالک نے یہ حال دیکھ کر لونڈی کو تو آزاد کر دیا۔ اور شہر کے بڑے بوڑھوں کو بلا کر اس غریب الوطن

درویش کا ٹھاٹ باٹ و شوکت سے کسی و دیر کیا۔ اور جب اس سے فارغ ہو چکا تو پھر تمام جائداد زر و نقد اور مکانات کو درویشوں کے لیے وقف کر دیا۔ اور خود ایک لنگوٹی اکر بہن اور چادر کندھے پر ڈال کر جنگل کی راہ لی اس کے بعد کسی کو اس کے جینے مرنے کا کوئی حال معلوم نہیں ہو سکا۔

حضرت داتا گنج بخش علی مخدوم ہجویری نے بھی کشف المحجوب باب سماع میں اس حکایت کو روایت و تراج ذکر کیا ہے۔ وہ راوی کہتے ہیں اس ابن القرطی کے ساتھ بصرہ کی طرف جا رہا تھا دجلہ دریا کے متصل ایک بلند مکان میں ایک امیر کی لونڈی یہ شعر گا رہی تھی ؎

فی سبیل اللّٰہ وُدًّا کان لی الی یمتذل　　کل یوم تتلون غیر ھذا بک اجمل

(تیری میری دوستی خدا ہی کی خواہشات پر مبنی نہیں بلکہ خالص اللہ ہے)

اس بد بختی کا باعث ہے تو ہر روز منقلب ہوتا جاتا ہے یہ تجھ سے بہتر خوبصورت اور جمیل ہے اس شعر کے بعد مذکورہ بالا جوان درویش کے مرنے اور لونڈی کے آزاد ہونے اور مالک کے ترک الدنیا اور آخر میں مفقود الخبر ہو جانے کا واقعہ لکھا ہے اور اس حکایت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ سماع صادق اور جذب میں کامل ہو۔ اور ایسا ہو کہ گناہگاروں کو گناہوں سے بچا دے جھوٹے کا مدار سماع کرنے اور کرانے والوں سے بچو کہ وہ دولت ایمان کے لئے غارت گر ہوتے ہیں۔

ابو بکر سوسی شبلیؒ کے ملنے والوں میں سے ایک دن کہا کوئی گانے والا مل سکے تو لاؤ طبیعت سماع کو چاہتی ہے لیکن کوئی آدمی نہ ملا ایک شخص نے مذاقاً کہا ہمارے پاس ہی ایک جوان اداس ہے۔ اگر اجازت ہو تو اس کو لے آؤں۔ انہوں نے کہا کیا حرج ہے لے آؤ۔ وہ جوان نشہ میں مدہوش تھا گھومتا جھومتا آیا اور با وجود یکہ نشہ میں تھا لیکن جب اشعار شروع کئے تو نشہ کی کوئی علامت نہ تھی اشعار حسب ذیل ہیں ؎

القوم اخوان صدق بینہم نسب　　من المودۃ لم یعدل بہ نسب

ثم اصبحوا فی رأة الصہباء بینہم ۔ و اوجبوا لرضیع الکاس ما یجب
لا یحفظون علی السکران زلتہم ۔ ولا یریبک من اخلاقہم ریب

ترجمہ ۔ گروہ صوفیا سچے بھائی ہیں۔ ان میں دوستی کا وہ رشتہ ہے کہ کوئی رشتہ اس کی برابری نہیں کر سکتا۔ انہوں نے شراب محبت کا دودھ پیا ہے۔ اور برادر رضاعی کے دودھ کو جو ان پر ضروری ہیں لازم سمجھتے ہیں۔ محبت کے نشوں کے سوالوں پر ان کی لغزش پر گرفت نہیں کی جاتی۔ اور ان کے اخلاق میں کسی قسم کا شک پیدا نہیں ہوتا۔

تمام مشائخ اس بدمست جوان کی آواز سے خوش ہو کر شور مچانے لگے۔ ان کے نعروں سے مکان گونج اٹھا۔ جب جذبات ہلکے ہوئے تو بدمست مطرب نے ابوبکر سوسیؒ کے مصلّے پر قے کر دی۔ لوگوں نے منع کیا۔ مگر انہوں نے کہا کچھ نہ کہو۔ اسے یہیں رہنے دو۔ اور تم سب چلے جاؤ۔ وہ ساری رات بے ہوش رہا۔ دن نکلا تو کپڑے پھاڑ ڈالے گناہوں سے توبہ کی۔ اور مریدوں کے سلسلہ میں داخل ہو کر ابوبکر سوسیؒ کے بعد ان کی خانقاہ کا گدی نشین بنایا گیا۔ سچ ہے ۔

خدا کی دین کا موسےٰ سے پوچھیئے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

اسی طرح حضرت خواجہ عثمان جالندھریؒ چہل مکتوب میں لکھتے ہیں ۔

بادہ بیار تا برقص آئیم ۔ واندریں رقص بر فتوح رساں

یعنے پیالہ بھر تا کہ ہم خوشی سے رقص کریں۔ اور اس رقص میں ہمیں فتوحات خاص عطا کر۔

ابوبکر اشنانیؒ ایک بزرگ تھے۔ سماع کے دلدادہ مجلس مکان کے چھت پر گرم ہوئی۔ قوال نے یہ شعر پڑھے ۔

ولقنا بذوب بی ثمہ . لمورتا دون نابیتا

سلے الانس اوانس

ان عاشق مات معصا ۔ او مات مات بدا یئہ

یعنے یا عشق ہی ہے ، ایسی بیماری سے بچھتا ہے موت اس کے لئے ملا کم ہے یا ملا کے سوا ہے اگر وہ زندہ ہے تو سلے مرہ جیتا ہے۔ اور اگر مر گیا تو اسی بیماری سے مریگا۔

ہم لس کے سدوں کو ان مختصر سے دو اشعار میں کوئی خاص حدت لییست کی بات نظر نہیں آتی بلکہ ایسے اور ان سے سہر اشعار ہر روز دیکھے اور سے جاتے ہیں۔ مگر دل پر جو یہ عشق الٰہی کی آگ اور اس کے محبوب کی تڑپ سے اس لئے کوئی اثر نہیں ہوتا لیکن جن لوگوں کو خدا نے درد دل عطا کیا ہے وہ معمولی سا شعر بھی سنتے ہیں تو تڑپ اٹھتے ہیں چنانچہ ابو بکر استدانی نے سنتے ہی ایک نعرہ مارا اور بے خود ہو کر پیچھے آگرے پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اور اپنی جان ۔ زندگی کو جیات ابدی پر قربان کر دیا۔

یہ تھے طبقہ کے مشائخ میں سے مظفر کرمان شاہی ایک بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں۔ ان کی رات تین حصوں پر منقسم تھی۔ ایک حصے میں نماز پڑھتے ایک میں کلام الٰہی کی تلاوت کرتے۔ اور ایک حصہ خضوع و خشوع اور دعاء اضطراب کی نذر تھا۔ آخری حصہ میں بعد کر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

قد لسعت حیۃ الھوی کبدی فلا طبیب لھا ولا راقی
غیر الحبیب الذی شغفت بہ فعندہ رقیتی و تریاقی

یعنے عشق کا سانپ میرے جگر کو کاٹ گیا ہے جس کا سوا اسی حبیب کے جس کا میں عاشق ہوں کوئی طبیب او منتر کرنے والا نہیں بقول میر تقی میر ؎

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

شیخ ناظم رح ایک بزرگ صاحب ذوق اور صاحب سخن گذرے ہیں ایک مرتبہ وہ شیخ شہاب الدین سہروردی کے پاس آئے شیخ نے کہا ناظم کوئی شعر

تو سناؤ ناظم نے ایک قصیدہ پڑھا جب اشعار ذیل پہ آیا ت ؎

اھلا و لما لم اکن اھلا لما نقعہ   قول المبشر بعد الیاس بالفرح

لک البشارۃ فاخلع ما علیک فقد   ذکرت ثم علی ما فیک من عرج

یعنے۔ مجھے خوشخبری اس بات کی ہو جس کا میں اہل نہ تھا خوشخبری سنانے والے کی بات۔ ناامیدی کے بعد خوشی کی بات۔ تجھ کو خوشخبری ہو۔ اب تو سب غم دور کر دے۔ کیونکہ بیشک تیرا ذکر محبوب کے پاس باوجود تیری کجی اور قصور کے کیا گیا ہے۔

یہ اشعار سنتے ہی شیخ الشائخ کھڑے ہو گئے۔ اور وجد کرنے لگے۔ اور جتنے مشائخ مجلس میں موجود تھے۔ وہ بھی اسی رنگ میں رنگے گئے [۱]

شیخ برہان الدین ابراہیم جعبریؒ فرماتے ہیں۔ میں ایک مرتبہ جعبر کی اطراف میں اپنے دل سے محبت میں فنا ہونے کی لذتوں کا ذکر کر رہا تھا۔ کہ ناگاہ ایک شخص بجلی کی طرح یہ شعر پڑھتا ہوا میرے پہلو سے گذر گیا ؎

فلم تھوٰنی مالم تکن فیّ فانیا   ولم تفن مالم تجلی فیک صورتی

یعنے تم میرے عاشق نہ ہو گے جب تک کہ مجھ میں فنا نہ ہو گے۔ اور تم کو فنا نہ ہو گی جب تک تم میں میری صورت جلوہ گر نہ ہو۔ شیخ برہان الدینؒ لکھتے ہیں میں یہ شعر سنتے ہی بے تاب ہو گیا۔ اور دیوانہ وار اس کے پیچھے دوڑا۔ آخر اس کو پکڑ لیا۔ اور کہا۔ اب آگ لگا کر کہاں جاتے ہو۔ یہ خیال تم نے کہاں سے لیا۔ اور تم کون ہو۔ اس نے کہا یہ شعر میرے بھائی شمس الدین ابن الفارضؒ [۲] کا ہے جو آجکل مصر میں ہیں۔ ان کی حالت تنگ ہے مجھے ان کی نماز پڑھنے کا حکم ہوا ہے۔ میں ان کے پاس جا رہا ہوں۔ غرض وہ ابن الفارض کے پاس پہنچے جو حالت

[۱] نفحات الانس ۵۳۷ آپ کی کیفیت ابوحفص ہے۔ نام عمر۔ بنی سعد کے قبیلہ سے ہیں جو دائی حلیمہ کا قبیلہ۔ حموی الاصل ہیں مگر پیدائش مصری ہے۔ ۸ جمادی الاول ۶۳۲ھ کو انتقال کیا بڑے بزرگ اور مقبول بارگاہ خداوندی تھے۔ نفحات الانس

سرع میں تھے۔ ابن الفارض نے کہا ابراہیم مبارک ہو۔ ہم اولیائے اللہ کے گروہ میں سے ہو۔ میں نے دعا مانگی تھی کہ خداوند جب میرے انتقال کا وقت قریب آجائے تو اپنی جماعت کو میرے پاس بھیجنا تحقیق تم اسی جماعت میں سے ہو۔ شیخ ابراہیم جعبری فرماتے ہیں کہ ابن الفارض کا چہرہ دفعتاً متغیر ہو گیا ایک آہ بھری آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور یہ اشعار پڑھے ۔

ان کان منزلتی فی الحب عندکم ۔۔۔ ما قد لقیت فقد ضیعت ایامی

امنیۃ ظفرت روحی بہا زمنا ۔۔۔ الیوم احسبہا اضغاث احلام

یعنی اگر میرا مرتبہ تمہارے نزدیک یہی ہے جو میں نے دیکھا تو پھر میں نے بیکار ہی عمر ضائع کی وہ آرزو جو مدت تک میری روح کو شاد رکھے ہوئے تھی۔ آج ایک پراگندہ خواب کی طرح ہے میں نے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے فرمایا مجھے جنت دکھایا گیا ہے لیکن رابعہ کے دل کے مطابق جنت کی رغبت اور دوزخ کے خوف کی وجہ سے اس کی عبادت نہیں کرتا بلکہ میں نے محض اس کی ذات پاک کے لئے اپنی ساری عمر گذاری ہے ۔

رابعہ شامیہ جو ایک نہایت عابدہ بی بی گذری ہیں عشق الٰہی اور خوف الٰہی کے الگ الگ حالات کے وقت ان کی حالت بالکل متغیر ہو جایا کرتی تھی چنانچہ غلبہ محبت الٰہی کے وقت وہ بے تاب ہو جایا کرتیں اور یہ شعر پڑھ کر دل کا بخار نکالا کرتی تھیں ۔

حبیب لیس یعدلہ حبیب ۔۔۔ وما لسواہ فی قلبی نصیب

حبیب غاب عن بصری وشخصی ۔۔۔ ولکن عن فؤادی لا یغیب

یعنی۔ وہ ایسا محبوب ہے جس کے برابر کوئی محبوب نہیں۔ اور اس کے سوا میرے دل میں اور کسی کا گذر نہیں گو میری آنکھ اور میرے وجود سے وہ دور ہے لیکن میرے دل سے وہ دور نہیں ہے۔ خوف کی حالت میں ان کا بدن کانپ جاتا وہ شعر پڑھا کرتیں اور ان کا چہرہ زرد ہو جاتا اور آنسوؤں کے قطرے

کے ساتھ وہ ذیل کے اشعار پڑھتیں ۔

وزادي قليل لا اراه مبلغي ‏ ‏ ‏ ‏ اللزاد ابكي ام لطول مسافتي

اتحرقني بالنار يا غاية المنى ‏ ‏ ‏ ‏ فاين رجائي منك اين مخافتي

یعنے میرا توشہ اس قدر تھوڑا ہے کہ وہ مجھے منزل تک پہنچانے کے لئے ناکافی ہے ۔ اب توشہ کی کمی کے لئے روؤں یا لمبی مسافت کے لئے ۔ اے میری نہایت آرزو کیا تو مجھ کو آگ میں جلائیگی ۔ (جب یہی حالت ہے تو) میری امیدیں کہاں گئیں ۔

حضرت سری سقطی رح کے زمانہ میں (جو حضرت جنید رح کے استاد تھے) ایک نہایت عارفہ و عفیفہ بی بی بہ اسم تحفہ گذری ہیں ۔ جن کو ان کے مالک نے بیس ہزار درہم پر خریدا تھا ۔ وہ ہر وقت شعر پڑھا کرتی اور رویا کرتی تھیں ظاہر بین ان کو دیوانہ خیال کرتے تھے ۔ اور اسی خیال سے ان کے مالک نے ان کو شفاخانہ میں علاج کے لئے بھجوا دیا تھا ۔ ایک دن حضرت سری سقطی شفاخانہ میں آئے وہ عورت ان کو دیکھکر رونے لگی ۔ اور شعر پڑھنے لگی حضرت نے مہتمم سے پوچھا یہ کون عورت ہے ۔ عورت یہ باتیں سنکر اور بھی رونے لگی ۔ اور نہایت سوز و گداز سے یہ اشعار زبان پر لائی ؎

معشر الناس ما جننت و لكن ‏ ‏ ‏ ‏ انا سكرانة و قلبي صاحي

اغللتم يدي و لم آت ذنبا ‏ ‏ ‏ ‏ غير جهدي في حبه و افتضاحي

انا مفتونة بحب حبيب ‏ ‏ ‏ ‏ لست ابغي عن بابه من براح

فصلاحي الذي زعمتم فسادي ‏ ‏ ‏ ‏ و فسادي الذي زعمتم صلاحي

ما على من احب مولى الموالي ‏ ‏ ‏ ‏ وارتضاه لنفسه من جناح

یعنے ۔ اے لوگو میں دیوانی نہیں ہوں ۔ لیکن میں مست ہوں ۔ اور میرا دل چلا رہا ہے تم نے میرے ہاتھوں کو جکڑ دیا ہے ۔ حالانکہ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا بجز اس کے کہ اس کی محبت میں میری سعی اور رسوائی ہے ۔ میں محبوب کی محبت

میں مصول ہوں اور اس کے دروازہ سے دور رہنا نہیں چاہتی پس جسکو تم نے میرا فساد سمجھ لیا ہے وہی میری اصلاح یعنی درستی ہے اور جس کو تم میری درستی خیال کرتے ہو۔ وہی میرا بگاڑ ہے جو شخص حاجت و احکام کا محب ہو اور اس کو اپنے لیے پسند کرے تو اس پر کیا گناہ عائد ہو سکتا ہے۔

حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں ان شعروں نے میرے دل کو آگ لگا دی اور مجھے جلا دیا میری آنکھوں سے اشک جاری تھے۔ اور میرا رد ماسدہ ہو گیا تھا۔ تحفہ نے میرا یہ حال دیکھکر کہا اے سری سرور مالو صرف اس کی صفت کی وجہ سے ہے اگر اس کو پورے طور پر پہچان لو تو کیا حال ہو۔

حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں تعامانہ کے مالک نے میری سفارش سے اس کو آزاد کر دیا لیکن وہ بھی کہتی تھی کہ میں کہاں جاؤں جب تک میرا مالک اجازت نہ دے اسی اثنا میں مالک بھی آ گیا۔ اس نے مجھے دیکھکر میری تعظیم کی میں نے کہا یہ لونڈی مجھ سے زیادہ تعظیم کے قابل ہے تم نے اس کو کیوں قید کر رکھا ہے۔ مالک نے کہا یہ دیوانی ہے کھانا پینا اور سونا سب اس نے ترک کر دیا ہے البتہ روتی رہتی ہے جس سے میں سخت بیزار ہوں۔ حضرت سقطی نے فرمایا یہ بیماری (روگ لگی) اس کو کب سے ہے کہا ایک سال سے ہے اور وہ اس طرح کہ پہلے یہ عود (نام ساز مثل سارنگی وغیرہ) تھا اور رو رہی تھی۔ اور یہ شعر کہ رہی تھی ؎

وحقك لا نقضت الدهر عهدا ولا كدرت بعد الصفو ودا
ملأت جوانحي والقلب وجدا فكيف الذو اسلو واجدا
فيا من ليس لي مولى سواه اراك تركتني في الناس عبدا

یعنے تیرے حق کی قسم میں نے کبھی عہد کو نہیں توڑا اور نہ صفائی کے بعد کدورت پیدا کی ہے میں نے اپنے دل کو اور اپنی پسلیوں کو سوز سے بھر لیا ہے (دوپی تاکہ) میں کس طرح لذت یا آرام حاصل کروں اے وہ ذات کہ جس کے سوا میرا اور کوئی مالک نہیں ہے میں دیکھتا ہوں کہ تو نے مجھے لوگوں کا غلام بنا رکھا ہے۔

شعر پڑھنے کے بعد وفعتاً وہ جوش میں آئی سر کو لوٹ دیا اور گریہ زاری میں مشغول ہوگئی

حضرت ذوالنون مصری قدس اللہ سرہ اپنے دوران طواف کعبہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب میں طواف کرچکا تو مجھے ایک غمزدہ کے رونے کی آواز آئی۔ دیکھا تو ایک لونڈی کعبہ کے پردوں سے لٹک رہی ہے اور کہتی ہے۔

انت تدری یا حبیبی من حبیبی انت تدری وشخل الجسم والاسم تبوحان بسری
قد کتمت الحب حتی ضاق یا لکتمان صدری

یعنی۔ اے میرے حبیب تم جانتے ہو کہ میرا حبیب کون ہے تم جانتے ہی ہو۔ میرا لاغر جسم اور میرے اشک پوشیدہ کر رہے ہیں۔ میں نے راز محبت کو بہت چھپایا یہاں تک کہ میرا سینہ اس کے چھپانے سے عاجز ہو گیا۔

حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں میں یہ درد بھری آواز سنکر (اس خیال سے کہ اس کی یکسوئی میں ہرج نہ ہو) ایک طرف کو ہو گیا۔ اور ان اشعار کی تاثیر سے بیتاب ہو کر خود بھی رونے لگا۔

حضرت داؤد طائی نے جن کا باطن درد الٰہی سے بھرا ہوا تھا کسی نوحہ گر کو ایک دن یہ شعر پڑھتے سنا۔

بای خدیک تبدلی البلا والی عینیک سالا سالا

یعنی۔ وہ کونسا چہرہ ہے جو خاک میں نہیں ملا۔ اور وہ کونسی آنکھیں ہیں جو دریائے خس و خاشاک میں نہیں بہ گئیں۔ اس شعر کا سننا تھا کہ آپ بیقرار و بے خود ہوگئے اور صبر و قرار کو ہاتھ سے کھو بیٹھے۔ اسی حالت بیقراری و بیخودی میں حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہ کی خدمت میں دوڑے گئے۔ اور شعر کا واقعہ اور اپنی بیتابی کا اظہار کیا۔ اور کہا اب دنیا سے دل سیر ہو گیا ہے۔ اور یہ شعر ایک ناصح مشفق کا کام کر گیا ہے۔ اب میری دستگیری کیجئے۔ اور مجھے سیدھا راستہ بتائیے۔

سیدی احمد بن ابی الحسن الرفاعی جن کو تصوف و سلوک میں بہت بڑا رتبہ
حاصل ہے قوالی کے عاشق تھے۔ اور باوجود عبادت میں کمال مشغول رہنے
کے اشعار بھی کہا کرتے تھے۔ ایک دن قوالی کی مجلس گرم تھی قوال نے آپ ہی
کے قصیدے سے یہ چار شعر پڑھے ؎

إذا جن ليلى هام قلبي بذكركم — أنوح كما ناح الحمام المطوق
وفوقي سحاب يمطر الهم والأسى — وتحتي بحار بالهوى تتدفق
سلوا أم عمرو كيف بات أسيرها — تفك الأسارى دونه وهو موثق
فلا هو مقتول ففي القتل راحة — ولا هو ممنون عليه فيطلق

ترجمہ: رات پڑتی ہے تو میرا دل تمہاری یاد سے حیران ہو جاتا ہے میں ایسی فریاد
کرتا ہوں جس طرح کہ قمری طوق دار چلاتی ہے میرے اوپر ایک بادل ہے جو
رنج و غم کو برساتا ہے اور میرے نیچے عشق کے سمندر ہیں جو جوش مارتے ہیں ام
عمرو سے پوچھو کہ تمہارے قیدی نے عشق سے رات کیونکر بسر کی ہے اس کے
سوا سارے قیدیوں کی زنجیریں کھول دی گئیں اور وہ (ابھی تک) بندھا
ہے۔ وہ مقتول بھی نہیں ہوا۔ کیونکہ قتل میں راحت ہے۔ اور نہ وہ ایسا ہے کہ
اس پر احسان رکھ کر اس کو چھوڑ دیا جائے۔

ان اشعار کے سننے سے آپ پر ایک عجب کیفیت طاری ہوئی۔ اور آپ
اس سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اسی حالت میں چند روز کے بعد دنیا سے رخصت
ہو گئے۔

شیخ علاء الدین خوارزمی سب سے زیادہ ذکر کرتے تھے۔ اسی عالم
بے قراری میں انہوں نے ایک کتاب کو مطالعہ کیا جس میں یہ شعر
بھی مندرج تھے ؎

ل امام موسیٰ کاظم کی اولاد سے ہیں حضرت کی نسبت بارہ واسطوں سے پیغمبر تک پہنچتی ہے مولد مقام
ام عبیدہ ہے جو بطائح کے علاقہ میں ہے ۵۱۲ھ میں ولادت ہوئی اور ۵۷۸ھ میں وفات پائی۔ الخ

کی عن ھو ملک معرضا   وکل الامور الے القضا

فلوبما اتسع المضیق   ولربما ضاق القضا

ولرب امر متعب   لك سے عواقبہ رضا

اللہ یفعل ما لیشاء   فلن تکن متعرضا

ترجمہ - اپنے غموں کو چھوڑ دے - اور اپنے سب کام قضا کے سپرد کر دے کیونکہ لیسا اوقات تنگی فراخ ہو جاتی ہے - اور لیسا اوقات قضا تنگ ہو جاتی ہے - البتہ بہت سے کام رنج میں ڈالنے والے ہیں جن کے انجام میں تیرے لئے رضا مندی ہے - البتہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے - پس تو ہرگز اعتراض نکر

شیخ علاء الدین فرماتے ہیں - جب میں نے ان شعروں کو پڑھا - میری بیقراری جاتی رہی - میری حرارت اور میرے اضطراب کو کسی نا معلوم چیز نے دبا دیا - اور بھڑکتے ہوئے شعلوں پر کسی نے برف سے بھی زیادہ ٹھنڈا پانی گرا دیا - میری سب گرمی جاتی رہی - اور مجھے اطمینان کلی نصیب ہو گیا - (نفحات الانس)

امام غزالی رح احیاء العلوم میں تحریر فرماتے ہیں - کسی صوفی نے ایک شخص کو کہتے سنا ؎

قال الرسول سد اتی د   سا فقلت نہ ہای ماذنول

ترجمہ - رسول نے کہا کل کو ملو گے تم -

اس آواز سے صوفی کو اشتغال پیدا ہوئی - اور وجد میں مصرع اول کو پڑھنے لگا - صیغہ مخاطب کی جگہ متکلم کہنے لگا - یہاں تک کہ سرور اور لذت سے بے ہوش ہو گیا -

ابوالحسن دراج بغداد سے یوسف بن حسین رازی کی زیارت اور سلام کے لئے روانہ ہوئے - جب مقام رسے پر پہنچے تو جس سے ان کا ذکر کیا - اس نے بھی کہا کہ اس زندیق سے تم کو کیا کام ہے - ابوالحسن نے ہر شخص سے ایک ہی کلمہ سننے کی وجہ سے واپسی کا ارادہ کیا - لیکن پھر سوچا کہ اتنا بڑا سفر کیا ہے اور

کچھ نہیں تو اس کو دیکھ ہی لوں۔ غرض ان کے پاس گئے۔ دیکھا تو وہ مسجد کے محراب
میں بیٹھے ہیں۔ نہایت خوبصورت اور چھک رنگ کے آدمی مقطع داڑھی والے
ہیں۔ قرآن مجید ہاتھ میں لئے تلاوت فرما رہے ہیں۔ ابوالحسن نے سلام کیا۔ انہوں
نے متوجہ ہو کر فرمایا۔

کہاں سے آئے؟

ابوالحسن۔ بغداد سے۔

یوسف بن حسین۔ کس لئے آئے؟

ابوالحسن۔ آپ کی زیارت اور سلام کے لئے۔

یوسف بن حسین۔ اگر تم کو رستے میں کوئی کہتا کہ ہم کو مکان اور لونڈی مول لے
دیتے ہیں کہاں جاتے ہو یہاں ٹھہر جاؤ۔ تو کیا یہ امر تمہارے آنے کو مانع ہوتا۔

ابوالحسن۔ اب تک تو خدا نے امتحان میں نہیں ڈالا۔ اگر ڈالتا تو نہ معلوم اس
میں کیسا ہوتا۔

یوسف بن حسین۔ کچھ گا بھی جانتے ہو؟

ابوالحسن۔ ہاں۔

غرض ان کے ارشاد سے آپ نے یہ اشعار نہایت پرسوز لحن میں ادا کئے ؎

رأيتك تبني دائماً في قطيعتي ولو كنت ذا حزم لهدمت ما تبني

كأني بكم والليت أفضل قولكم ألا ليتنا كنا إذا الليت لا يغني

ترجمہ۔ دیکھا میں نے تم کو کہ تم بنا کرتے ہو ہمیشہ۔ اور اگر میں ہوشیار ہوتا تو تمہاری بنا کو ڈھا دیتا۔
میں حاضر ہوں تمہارے ساتھ اور لیت تمہارا اچھا کلام ہے خبردار ہو کاش کہ ہم ہوتے کہ لیت کام نہ د

یہ اشعار سن کر یوسف بن حسین اتنا روئے کہ داڑھی اور رومال تر ہو گیا۔ ابوالحسن
کہتے ہیں۔ ان کے اس رونے نے مجھ پر بھی اثر کر دیا۔ اور میری آنکھوں سے
بھی آنسو نکل پڑے فرمایا دیکھتے ہو رے کے لوگ مجھے زندیق کہتے ہیں اور میری
یہ حالت ہے کہ ان شعروں کے سننے سے مجھ پر قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔

حضرت مسلم عبادانی کہتے ہیں۔ ایک بار ہمارے پاس عتبہ غلام۔ عبد الواحد
بن زید۔ صالح مری اور مسلم اسواری تشریف لائے۔ اور ساحل دریا پر فروکش
ہوئے۔ میں نے ایک رات ان کی دعوت کی سب صاحب تشریف لائے۔ جب
کھانا سامنے آچکا تو اتنے میں کسی نے بلند آواز سے یہ شعر پڑھا؎

وتلهيك عن دار الخلود مطاعم　　　ولذات نفس غبها غير نافع

ترجمہ؎
یاد تم کو نہیں کھانوں کے مزے ہیں عقبےٰ
کچھ نہ کام آئے گی یہ لذت نفس آخر کار

عتبہ غلام نے ایک چیخ ماری۔ اور بیہوش ہو کر گر پڑا۔ دوسرے لوگوں کا بھی یہی
حال ہوا۔ کھانا جوں کا توں اٹھا لیا گیا۔ اور کسی نے ایک لقمہ بھی نہ کھایا۔

حضرت ابو القاسم بن مروان جو ابو سعید خراز رح کی صحبت میں رہتے تھے۔
اور جنہوں نے بہت برسوں سے راگ سننا چھوڑ دیا تھا۔ ایک مرتبہ کسی دعوت
میں تشریف لے گئے۔ وہاں ایک شخص نے جب یہ شعر بلحن داؤدی پڑھا؎

واقف فی الماء عطشان　　　ولکن لیس یسقی

ترجمہ؎
بر لب جو تشنہ لب استادہ ام
جام از دستش نمے یابم ہنوز

جتنے لوگ مجلس میں تھے۔ سب نے اس شعر سے سرور فراواں حاصل کیا
بلکہ کئی ایک کو وجد ہوا۔ جب ساکت ہوئے تو ابو القاسم نے پوچھا۔ اس کے
معنے آپ کیا سمجھے ایک نے کہا معنے یہ ہیں کہ احوال شریفہ کا اشتیاق ہے اور
باوجود ان کے سامان ہونے کے ان سے محرومی ہے۔" اس جواب سے ان
کی تشفی نہ ہوئی۔ لوگوں نے کہا آپ کے نزدیک کیا مقصود ہے فرمایا۔ یہ
مراد ہے کہ حالات کے درمیان رکھ۔ اور کرامات مرحمت کر مگر اصل حقیقت
سے کچھ نہ عطا کر

شہباز منازل طریقت حضرت مخدوم علی ہجویری ثم اللاہوری رضی اللہ عنہ

داتا گنج بخش صاحب مرحوم ۱۲ اپنی لاجواب بے مثال کتاب کشف المحجوب میں جہاں حج کے کشف کا ذکر ہے فرماتے ہیں؛

میں نے ایک بزرگ سے سنا ہے کہ انہوں نے ایک شب کعبۃ اللہ کے سامنے بیٹھا ہے اور زار زار رو رہا تھا اور اسی حالت گریہ وزاری میں مندرجہ ذیل اشعار پڑھ کر سامعین کے دلوں کو ہلا رہا تھا

أتحسب يوم النحر والعيس ترحل — وكان حدى الحادي ينادي ويعجل
أنا سائل عن سلمى هل من مخبر — بأن له علما بها أين تنزل
لقد رفثت حجي وسلمى وعمرتي — وفي النفس لي شغل عن الحج مشغل
سأحج من عامي لحجة قابل — فإن الذي قد كان لا يتقبل

ترجمہ صبح کی میں نے حج کے دن حالانکہ سپید اونٹ کوچ کرتے تھے اور حدی خواں آواز دیتا اور جلدی کرتا تھا۔ میں سلمیٰ کی بات سوال کرتا ہوں کیا کوئی ایسا مخبر ہے کہ اس کو اس کے منزل (مقام گاہ) کا علم ہو تحقیق میرا حج اور میرا عمرہ ضائع کئے سلمیٰ نے کہ میں نے ان (حج اور عمرہ) کو حالی کا شغل بنا لیا تھا قریب ہے کہ میں حج کے لئے آئندہ پھر آؤں مگر جس نے کبھی قبول نہیں کیا

حضرت مخدوم علی ہجویری کشف المحجوب کے باب سب وہم مراتب و حقیقت سماع میں لکھتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے ایک درویش کو دیکھا ہے جو آذربائیجان کے پہاڑوں میں سماعت معصوم کہ سے یہ اشعار پڑھ رہا تھا اور سوز و گداز کا ایک نشہ معلوم ہوتا تھا۔

والله ما طلعت شمس ولا غربت — الا وانت مني قلبي ووسواسي
ولا جلست الى قوم احدثهم — الا وانت حديثي من جلاسي
ولا ذكرتك محزونا ولا طربا — الا وحبك مقرون بانفاسي
ولا هممت بشرب الماء من عطش — الا رأيت خيالا منك في الكاس
ولو قدرت على الاتيان زرتكم — سحبا على الوجه او مشيا على الراس

خدا کی قسم نہیں طلوع ہوا آفتاب اور نہیں غروب ہوا۔ مگر مجھے ہمیشہ تیری ہی دُھن لگی رہی۔ اور تو میرے دل میں جاگزیں رہا۔ اور نہیں بیٹھا میں کسی قوم میں اُن سے باتیں کرنے کو۔ مگر تو ہی ہم نشینوں میں میرا ہم سخن رہا (یعنی دوستوں کی مجلس میں بھی جب میں تیرے ذکر و فکر سے غافل نہیں۔ تو خلوت میں تو تو ہی تو ہے) میں نے غمی اور خوشی کی حالت میں بھی تیری یاد کی قربت دور نہیں کی پیاس کی حالت میں بھی جب کبھی پانی پینے کا قصد کیا ہے۔ تو اس میں تیرا ہی عکس دیکھا ہے اگر مجھے کسی طرح تیرے پاس پہنچنے کی قدرت حاصل ہوتی۔ تو میں سر اور آنکھوں کے بل زیارت سے مشرف ہوتا۔ جب وہ درویش ان اشعار کو ختم کر چکا۔ تو میں نے دیکھا کہ وہ ایک پتھر پہ بیٹھ گیا۔ اور وہیں اسی حالت میں اس نے جان دے دی۔

صاحب کشف المحجوب نے باب السماع میں اور بھی کئی ایسے واقعات لکھے ہیں منجملہ ان کے دو واقعات حسب ذیل ہیں۔

فرماتے ہیں بزرگوار مشائخ میں سے ایک مشائخ کہتا ہے میں ایک درویش کے ساتھ بغداد میں جا رہا تھا کہ ایک مقام پہ ایک گانے والے کو میں نے یہ گاتے سنا ؎

منی ان یکن حقا یکن احسن المنی ۔۔۔ والا فقد عشنا بہا زمنا رغدا

جب سماع راستبازی (حقانیت) کے ساتھ ہو۔ تو سب مرادوں سے بہترین مراد ہے۔ ورنہ یوں تو ہم نے بھی کچھ زمانہ سماع میں زندگی بسر کی ہے۔

درویش یہ نغمہ سنکر بیتاب ہو گیا۔ ایک نعرہ مارا۔ اور دُنیا سے گزر گیا۔

ابراہیم خواص ایک شخص کے ساتھ پہاڑ پر جا رہے تھے ہمراہی صاحب دل تھا۔ راہ میں اس کو ایسی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اور وہ خوشی میں آکر یہ شعر بلند آواز اور مستانہ لہجہ سے پڑھنے لگا ؎

صدق الناس انی عاشق   علی ان لم یعرفوا عشقی لمن

فی الانسان شیئ حسن   الاحسن منها الصوت

لوگوں میں یہ اعلان ہوا مسلم ہے مگر وہ نہیں جانتے کہ میں کس کا عاشق
ہوں انسان میں کئی ایک اچھی چیزیں ہیں حسن دار ۔ کہ ان میں سب سے زیادہ
خوبصورت اچھی آواز ہے ابراہیم خواص نے یہ اشعار دوبارہ پڑھنے کو کہا پھر
اٹھ کے گئے ابراہیم رحمہ وجد کے حکم کے موافق چند قدم زمین پر مارتے ہیں راوی
کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ ان کے قدم پتھر میں دھنس جاتے۔ آخر وہ بیہوش ہو کر
گر پڑے جب ہوش میں آئے تو عجیب و غریب نکات و اسرار بیان کرتے تھے

۸ھ ہجری میں مکہ فتح ہوا دس ہزار آدمیوں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وآلہ و اصحابہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے دیکھا کہ عورتیں اپنے دوپٹوں سے گھوڑوں
کے منہ کا گرد و غبار پاک کر رہی ہیں۔ آپ نے متوجہ ہو کے حضرت ابوبکر صدیق کو فرمایا۔
حسان بن ثابت نے اس موقعہ کے لئے جو اشعار کہے ہیں وہ پڑھو چنانچہ حضرت
کے حکم سے ابوبکر صدیق نے ۔ اشعار پڑھے ہے

عدمت بنیتی ان لم تروها   تثیر النقع موعدها کداء

یبارین الاعنة مصعدات   علی اکتافها الاسل الظماء

تظل جیادنا متمطرات   تلطمهن بالخمر النساء

ترجمہ۔ میری سواریاں ہلاک ہوں۔ اگر تم ان کو وادی کدا کی انتہا پر غبار اڑاتے نہ
دیکھو۔ اور سانڈنیاں باگیں اٹھائے ہوئے اور زور کرتی ہوئی اوپر
چڑھیں گی۔ ان کے کندھوں پر جوانوں کے پیاسے نیزے دھرے ہونگے
ہمارے گھوڑے باہم سبقت کرتے ہوئے آگے بڑھیں گے۔ اور عورتیں اپنے
دوپٹوں سے ان کے منہ پونچھ رہی ہونگی اشعار سن کر آنحضرتؐ نے اپنی
کمال مسرت کا اظہار کیا اور فرمایا ہم وہیں سے مکہ میں داخل ہوں گے جہاں سے
حسان نے بیان کیا ہے (شمس التواریخ حصہ دوم صفحہ ۱۶۶)

بحرین میں دو فرقے تھے۔ بنی عبد القیس اور بنی بکر منذر بن ساوی حاکم بحران کے مرنے کے بعد بنی بکر مرتد ہو گئے۔ بنی بکر نے عجم کے بادشاہ سے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے مدد مانگی۔ چنانچہ فریقین جی کھول کر لڑے چند ابتدائی فتوحات کے بعد بنی عبد القیس قلعہ بند ہو گئے۔ مرتدوں نے چاروں طرف گھیرا ڈال لیا جب قلعہ والے آذوقہ سے تنگ ہوئے تو ان میں سے ایک نے یہ اشعار لکھ کر قاصد کے ہاتھ مدینہ بھیجے ؎

الا ابلغ ابا بکر رسولا ۔۔۔ و فتیان المدینۃ اجمعینا

فھل لکم الی قوم کرام ۔۔۔ قعود فی جواثی محصرینا

کان دماءھم فی کل فج ۔۔۔ شعاع الشمس تغشی الناظرینا

توکلنا علی الرحمن انا ۔۔۔ وجدنا النصر للمتوکلینا

ترجمہ۔ اے قاصد ابو بکر صدیق اور مدینہ کے سب جوانوں کو خبر کر دے کہ جو لوگ (قلعہ) جواثی میں محصور ہیں۔ ان کا تمہیں کچھ خیال ہے کہ نہیں ان کا خون سورج کی شعاعوں کی طرح سارے راستوں میں پھیلا ہوا دیکھنے والوں کی نظروں کو چوندھیا رہا ہے۔ ہم خدا پر تکیہ کئے بیٹھے ہیں۔ اور اسی پر توکل کرنے والوں کو مدد ملتی ہے شمس التواریخ حصہ دوم میں جس کا نام خلافت صدیق ہے۔ لکھا ہے کہ جناب صدیق اکبر ان اشعار کو پڑھتے ہی بے چین ہو گئے۔ اور درد دل سے بیتاب ہو کر آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ اور اسی وقت علاء بن الحضرمی کو جرار فوج دے کر روانہ کیا چنانچہ آخر کئی لڑائیوں کے بعد بحرین میں لشکر اسلام کو فتح حاصل ہوئی۔

سلہ بحرین کے لوگ عہد نبوی میں مسلمان ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے علاء بن الحضرمی کو دعوت اسلام کے لئے روانہ کیا تھا سلہ میں جب حضور صلعم نے وصول صدقات کے لئے اپنے عامل چاروں طرف بھیجے تو علاء رض کو بحرین کا عامل کر دیا وہ بحرین ہی میں تھے کہ رسالتماب صلعم کا انتقال ہو گیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد منذر بن ساوی حاکم بحرین جو مسلمان تھا مر گیا۔ اور اس کے مرتے ہی بحرین والے مرتد ہو گئے (شمس التواریخ حصہ دوم صفحہ ۱۳۵)

ضرار نے رومیوں سے جو جنگ کی ہے اس کی تفصیل دیکھنی ہو تو حالد بن ولید کے کارناموں میں دیکھو۔ یہاں صرف وہ شعر لکھا جاتا ہے۔ جو ضرار اپنی الاردیہ کو جوش اور وجد میں لاتا تھا اور جسے پڑھتے ہوئے وہ رومیوں کی جماعت کو چیرتے پھاڑتے ان کے لشکر میں گھس گئے تھے :۔

الموت حق این لی منہ مضرا ۔ حسب الفردوس جیلا من سقر

یعنی موت برحق ہے۔ میرے لئے اس سے فرار کی جگہ کہاں ہے۔ دل دوزخ سے بہتر بہرحال بہر ہے۔

ضرار کئی رومیوں کو تہ تیغ کرنے کے بعد خود زخمی ہو کر گرفتار ہو گئے ان کی مدد کے لئے خالد بن ولید جو آئے اسی لشکر میں ضرار کی بہن خولہ بھی رومیوں کے لشکر کو چیرتی پھاڑتی دائیں بائیں لڑتی پھرتی تھی اور جن شعروں سے اپنے اور لشکر اسلام کے دلوں کو گرماتی اور مرنے مارنے پر جاں تلف کرتی تھی وہ یہ ہیں :۔

این الضرار لا اراہ ... ولا اراہ مخبری د قومی

یا واحدی یا ابن امی ... کدمات علینی وادلت نومی

یعنی اے ضرار تم کہاں ہو میں آج تمہیں نہیں دیکھتی میرے اور ماں اور میری قوم تمہارے دیکھنے سے سیراب ہے اے میرے اکلوتے بھائی اور اے میرے ماں جائے تم نے میرے آرام کو مکدر کر دیا اور نیند کو میری آنکھوں سے اڑا دیا ہے۔

جب اس حملہ کے ان پر درد اشعار سے مسلمانوں کے سینے تپتے ہوئے جاتے تھے۔ لشکر اسلام نے آخری توڑ کر حملہ کیا۔

مسلمان اس حملہ میں غالب ہو رہے لیکن رومی ضرار کو لے کر بھاگ گئے حضرت خالد بن ولید نے رافع بن عمیرہ الطائی کو سو سوار دیکر تعاقب کے لئے بھیجا ضرار کی بہن خولہ بھی ہمراہ ہو گئیں یسلمیہ ایک مقام کے ... پہنچے

نے کہ خولہ کو یہ دردناک اشعار سنائی دیئے :-

الا مبلغا قومی وخولہ اننی ۔۔۔ اسیر من موثق الیہ مالقد

وحولی علاج الشام من کل جس ۔۔۔ فما منہم الا حصن بالشدد

فیا قلب مت غما وحزنا وحسرۃ ۔۔۔ ویا دمعنے جودیے بفیض علی خدی

انرا ان اری اھلے وخولہ مرۃ ۔۔۔ واذکر ما لنا علیہ من العہد

یعنی اسے خبر پہنچانے والے میری قوم اور خولہ کو آگاہ کر دے کہ تحقیق میں قید میں ہوں - اور بالکل جکڑا ہوا اور بے بس ہوں - گرد میرے شام کے کافر (گبر) ہیں - اور جتنے ہیں سب زرہ پہنے ہوئے اور مسلح ہیں - پس اے دل مرجا ہے تجھ کو کہ تو ایسے غم اور اتنی حسرت برداشت کر رہا ہے - اور اے آنسو جوانمردی کے اور فیض کے ساتھ میرے رخساروں پر جاری ہو جا - کیا تو چاہتا ہے کہ میں اپنے اقربا اور خولہ کو ایک بار اور دیکھ لوں - اور اپنے حال زار کو ان سے بیان کروں -

یہ اشعار سنکر خولہ کا دل بلیوں اچھل گیا - بیخود ہو کر تکبیر کہی - اور بیتاب ہو کر حملہ کر دیا - پیچھے سے ساتھی بھی اللہ اکبر کے نعرے مارتے ہوئے آ گئے - اور آخر بہن بھائی سے مل گئی - اور شاہ ہرقل والئ روم کے لشکر میں قتل عام ہو گیا

خالد بن ولید - ضرار اور عبیدہ لڑائی سے فارغ ہو کر دمشق کی راہ واپس جا رہے تھے کہ ہرقل شاہ روم نے مسلمانوں سے انتقام لینے کے لئے کمک بھیجی بولس اور بطرس ان فوجوں کے کمانڈر تھے - بطرس نامور نے دس ہزار پیدلوں کی معیت سے مسلمان عورتوں کو گرفتار کر لیا - اور دمشق میں پہنچنے کے لئے نہر استریاق کے کنارے مقیم ہو گیا - تاکہ اپنے بھائی بولس کا حال معلوم کرے -

ان عورتوں میں ضرار کی بہن خولہ بھی تھی بطرس نے عورتوں کو اپنے سامنے طلب کیا - خولہ کو سب سے زیادہ حسین دیکھ کے کہا یہ تو میرا مال ہے اس کی طرف کوئی بری نگاہ سے نہ دیکھے - باقیوں سے تم لوگ اپنے لئے کوئی پسند کر لو - یہ سب عورتیں فنون جنگ سے خوب واقف تھیں - دمشقیوں کے

نہ بُرے ارادے دیکھکر وہ سب ایک جگہ جمع ہوئیں اور خولہ کو سردار بنایا اس نے
ایک اشتعال انگیز تقریر کی اور خیموں کی چوبوں اور بانسوں اور ڈنڈیوں ہی سے
حملہ کر دیا کہ اپنی ناموس بچائیں یا اسی جگہ خاک و خون ہو جائیں

جب بطریس کا لشکر سامنے آیا تو خولہ نے ایک کڑکتی اور گرجتی ہوئی
آواز میں کہا ؎

نحن بنات تبع وحمیر — وضربنا فیکم لیس ینکر
لاننا فی الحرب نار تسعر — الیوم تلقون العذاب الاکبر

یعنی ہم تبع و حمیر کی بیٹیاں ہیں اور ہمارے ہاں تمہارا مارنا بڑے ثواب کی
بات ہے اسی لیے ہم لڑائی میں خوب دہکتی ہوئی آگ کی مانند ہو جاتی ہیں اے
ملعونو اب دیکھو آج تم بڑے عذاب میں ڈالے جاؤ گے۔

عورتوں نے اپنے سردار کا یہ غصہ اور جوش سے بھرا ہوا کلام سنکر ایک
[illegible] کیا اسی حالت میں حضرت خالد جو دمشق ہی کی طرف آ رہے تھے مع
اپنے لشکر کے پہنچ گئے اور اس سے حملہ کیا کہ رومی بھاگ گئے اور مسلمانوں نے
تا دمشق ان کا پیچھا کیا

شمس التواریخ حصہ چہارم میں صفحہ ۲۷۶ پر حضرت عثمان ذوالنورین کے
حالات میں لکھا ہے کہ آپ یہ دو شعر اکثر پڑھا کرتے تھے اور ان سے نہایت
متاثر ہوا کرتے تھے ؎

تفنی اللذاذة ممن نال صفوتها — من الحرام ویبقی الاثم والعار
تبقی عواقب سوء من مغبتها — لا خیر فی لذة من بعدها النار

ترجمہ حرام کی لذت اور مزہ جو شخص بھی چکھے حرام ہو۔ اس سے تھوڑی دیر میں فنا
اور نابود ہو جاتے ہیں۔ اور گناہ عار اور بدنامی باقی رہ جاتے ہیں وہ شخص لذت
مٹ جانے کے بعد انجام اور نتیجہ مذکور پاتا ہے۔ ایسی لذت میں کیا خیر و برکت ہے
جس کے بعد آتش دوزخ ہو۔ شمس التواریخ میں بحوالہ مروج الذہب یہ بھی لکھا

ہے کہ یہ شعر آپ ہی کے طبعزاد بھی معلوم ہوتے ہیں۔

خلافت فاروقی کی شجاعانہ فتوحات کی ابتدا ہے۔ ۱۴ھ میں حضرت قعقاع اور حضرت سعد ایرانیوں سے نبرد آزما ہیں۔ لڑائی زور شور سے جاری تھی۔ کہ ایک قیدی ابو محجن ثقفی نے جو ہر چند بڑا بہادر اور نامی شاعر تھا۔ مگر شراب پینے کے جرم میں قید تھا۔ قید خانہ کی کھڑکی سے لڑائی کا نظارہ دیکھا حضرت سعد تو بیدان جنگ میں تھے۔ ان کی بی بی سلمیٰ سے کہا۔ میری رگ و پے میں اس وقت خاص اثر ہو رہا ہے۔ خدا کے لئے مجھے رہائی دیدو۔ اگر زندہ رہا تو اپنے ہاتھ سے آکر بیڑیاں پہن لونگا۔ اور اگر مارا گیا تو سمجھنا کہ بلا ٹل گئی" مگر سلمیٰ نے نہ مانا آخر اس نے نہایت حسرتناک بلکہ تڑپا دینے والے لہجہ میں یہ اشعار پڑھے ؎

کفی حزناً ان تردی الخیل بالقنا واترک مشدوداً علیّ وثاقیا

اذا قمت عنانی الحدید واغلقت مصاریع من دونی تصم المنادیا

ترجمہ۔ اب اس سے بڑھکر اور کیا غم ہوگا۔ کہ سوار تو نیزہ بازیاں کر رہے ہیں اور میری یہ حالت ہے کہ زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوں جب اٹھنا چاہتا ہوں۔ تو زنجیر اٹھنے نہیں دیتی۔ اور اس طرح دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں کہ پکارنے والا پکارتے پکارتے تھک کر گونگا ہو جاتا ہے۔

ان شعروں نے ابو محجن پر تو جو اثر کیا وہ کیا۔ لیکن سلمیٰ بھی بیتاب ہو گئی۔ اور اس نے اسی بے خودی میں خود اس کی بیڑیاں کاٹ دیں۔ اور حضرت سعد کی خاص سواری کا گھوڑا انہیں دیا۔ ابو محجن نے پہلے میمنہ اور پھر میسرہ پر اس زور سے حملہ کیا۔ کہ جدھر نکل گیا صفیں کی صفیں صاف کر گیا۔ اور آخر بعد میں سعد نے اس کو رہائی بھی دیدی۔

حضرت عمر فاروق کے عہد خلافت میں ۱۸ھ میں سرزمین عرب قحط اور طاعون کا شکار ہو رہی تھی حضرت عمرؓ حضرت عباسؓ کو ہمراہ لے کر مدینہ

سلہ شمس التواریخ حصہ سوم خلافت فاروقی اعظم بعنوان ۹ رحمۃ اللہ کتاب تحریرات فاضی الوالوسعید (ح)

مورہ سے باہر ایک میدان میں نماز استسقا کے لیے گئے۔ تمام اہل مدینہ ہمراہ تھے۔ نماز کے بعد اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا مانگی۔ اور کہا اے اللہ تیری درگاہ پاک میں تیرے سب پاک کے محمد سرگوار یعنی حضرت عباسؓ کو وسیلہ بنا کر لائے ہیں اپنے رسول کے چچا کے طفیل اُمت محمدی کو محفوظ رکھ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا مانگی۔ اللھم انت الراعی لا تھمل الضالۃ ولا تدع الکسیر بدار مضیعۃ فقد ضرع الصغیر ورق الکبیر وارتفعت الشکوی وانت تعلم السر واخفی اللھم فاغثھم بغیاثک قبل ان یقنطوا فیھلکوا فانہ لا ییأس الا القوم الکافرون۔
ترجمہ اے پروردگار اس ریوڑ کا تو ہی رکھوالی ہے۔ اب تو چھوٹے بڑے سبھی فریاد کر رہے ہیں ایک شور برپا ہو رہا ہے اور تو پوشیدہ سے پوشیدہ باتوں کا جاننے والا ہے۔ اپنی جانب سے ان کو غنی کر دے ایسا نہ ہو کہ یہ ناامید ہو کر ہلاک ہو جائیں نا امید تو بس کافر ہوئے ہیں حضرت عباس کی یہ حالت تھی کہ یہ دعا پڑھتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے یہاں تک کہ تمام داڑھی تر ہو گئی اللہ تعالیٰ نے بھی دعا قبول فرمائی۔ اور لوگوں کے گھروں میں پہنچنے سے پہلے ہی بارش شروع ہو گئی۔[1]

---

[1] مرالعوالی حصہ سوم صفحہ ۲۲۳

حصۂ سوم

پیام وصال

حضرت صدیق اکبر خلیفہ اول کا انتقال ۲۲ جمادی الثانی سنہ ۱۳ھ مطابق ۶۳۴ء کو ہوا ہے۔ دم واپسین یہ الفاظ آپ کے منہ سے نکلے "اللّٰہم توفنی مسلماً والحقنی بالصالحین" یعنی اے اللہ اپنی فرمانبرداری کی حالت میں مجھے مار دیجیو اور مرنے کے بعد اپنے نیک بندوں میں شامل کیجیو۔[1]

حضرت عمر فاروق نے سنہ ۱۷ھ میں اپنے عہد خلافت میں بہت سے قلعے فتح کیے منجملہ ان کے ایک قلعہ راس العین بھی تھا۔ حضرت عیاض بن غنم اس معرکہ کے سرلشکر تھے۔ ان کے ماتحت حضرت جلیل اعلیٰ درجہ کے تیر انداز تھے۔ انہوں نے تاک تاک کر افسر ہی افسر گرائے۔ وہ شہادت کے نعروں میں تیر اندازی کر رہے تھے کہ ایک پتھر ان کے سر پر لگا جس سے وہ بیہوش ہو گئے۔ اور جب ہوش آیا تو یہ شعر پڑھے ؎

ایا راکبا اِلا احملت رسالتی ۔۔۔ مغلغلۃ الیٰ لقیت حمامی

ترجمہ۔ اے راکب (اے میرے چچازاد بھائی کا) تم میری موت کی خبر کا پیغام کیوں نہیں پہنچا دیتے ؎

وان جئت امی واخوتی وعشیرتی ۔۔۔ فقصرہم منی بکل سلامی

ترجمہ اگر تم میری ماں بہنوں اور اقربا کے پاس جاؤ تو سب سے جدا جدا میرا سلام کہنا ؎

وان سئلت عنی العجوز فقل لہا ۔۔۔ قتیل الاحجار لا قتیل سہامی

ترجمہ۔ اگر میری مادر ضعیفہ میری بابت دریافت کرے تو کہہ دینا کہ وہ پتھروں سے مارا گیا ہے۔ کشتۂ تیر نہیں ہے ؎

---

[1] خلافت صدیق (شمس التواریخ)

طریحاً ما مات الجسم لما طارت ۔۔۔ من الجمر الصد الاسم عظامی

ترجمہ: وہ وارد قلعہ اس حال میں پڑا ہے کہ سخت پتھروں سے اس کی ہڈیوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہیں۔

ولست ابالی ان ملک لاتی ۔۔۔ اذا حولی بالجنان مقامی

ترجمہ: مجھے اپنے مارے جانے کی کچھ پرواہ نہیں ہے میں جانتا ہوں کہ میں اس شہادت سے سیدھا جنت میں جاؤنگا۔

ان شعروں کے بعد اس کا خاتمہ ہو گیا۔ اور جو آخری لفظ اس کی زبان سے نکلے وہ یہی اشعار تھے[1]

۲۶۔ ذی الحجہ ۲۳ھ مطابق ۶۴۴ء کا دن مسلمانوں کے لئے نہایت بدنصیبی کا دن تھا ایک مجوسی الفلسہ ایرانی غلام (ابولولو) نے فجر کی نماز کے دوران میں حضرت عمر فاروق کو تلوار سے سخت زخمی کر دیا۔ دوسرے دن ۲۷ ذی الحجہ کو چہارشنبہ کے دن آپ نے وفات پائی روایت ہے کہ جب فاروق اعظمؓ نے وفات پائی تو اس وقت آپ ضعیف اور کمزور آواز سے کلمہ کا ورد کر رہے تھے اور کبھی کبھی یہ شعر عربی کا پڑھتے تھے۔

ظلومٌ لنفسی غیر انی مسلمٌ ۔۔۔ اصلی الصلوٰۃ کلہا واصومُ

لے۔ اگر میں مسلمان نہ ہوتا تو میرے نفس کے لئے بڑی مشکل ہوتی مگر میں نے تمام نمازیں پڑھیں اور روزے رکھے ہیں۔

اسی حال میں ان کی روح پاک نے قفس عنصری سے پرواز کی اور اس دار فانی سے بہشت بریں کو سدھاری انا للہ وانا الیہ راجعون (شمس التواریخ حصہ سوم صفحہ ۱۹۹)

حضرت ابوبکر شبلیؒ کے متعلق تذکرۃ الواصلین سوانح ابوبکر شبلی اور دیگر کتابوں میں لکھا ہے کہ جس رات حضرت ابوبکر شبلی کا انتقال ہوا ہے تو ساری رات آپ

---

[1] شمس التواریخ حصہ سوم صفحہ [illegible]

بھی دو اشعار پڑھتے رہتے سے

کُلُّ بَیْتٍ اَنْتَ سَاکِنُہ غَیْرُ مُحْتَاجٍ اِلَی السُّرُجِ

وَجْہُکَ الْمَامُوْلُ حُجَّتُنَا یَوْمَ یَاتِی النَّاسُ بِالْحُجَجِ

یعنے ہر مکان جس کا رہنے والا تو ہو۔ اس میں چراغ روشن کرنے کی ضرورت نہیں۔ تیرا چہرہ جو لوگوں کی امیدگاہ ہے۔ ہماری دلیل ہوگا جس دن کہ لوگ اپنی اپنی دلیلیں لا کے پیش کرینگے۔

جب نزع کا عالم طاری ہوا۔ تو لوگوں نے کہا کہیئے لا الٰہ الا اللہ فرمایا سے

قال سلطان حبہ انا لا اقبل الرشا فسلوہ بحقہ لم یقتلنی تحرشا

اس کی محبت کے سلطان نے کہا کہ میں رشوت قبول نہیں کرتا۔ اس کے حق کا واسطہ لا کے اس سے پوچھو کہ پھر میرے قتل کے بارے میں کیوں لوگوں کے کہنے میں آگیا۔

ابوعلی رودباری چوتھے طبقہ کے صوفیا میں گذرے ہیں۔ آپ کا نسب نصرو کسریٰ تک پہنچتا ہے۔ حضرت جنیدؒ کی ایک نگاہ کرم سے مال و منال سب ترک کردیا۔ اور طریقہ صوفیا کی طرف متوجہ ہوگئے۔ جب آپ کا اخیر وقت آیا تو آپ کی زبان پر یہ شعر جاری تھا[۱]

وحقک لا نظرت الی سواک بعین مودۃ حتی اراک

یعنے تیرے حق کی قسم میں نے تیرے سوا غیرت کی آنکھ سے اور کسی کو نہیں دیکھا اور نہیں دیکھنا جب تک کہ تجھے نہ دیکھ لوں۔ آپ کی وفات ۳۲۱ھ میں ہوئی ہے

خواجہ بہاؤالحق والدین النقشبند عرف خواجہ مشکل کشا نے جن کی وفات ۷۹۱ھ میں بخارا میں ہوئی ہے۔ فرمایا ہے کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کے جنازہ کے سامنے کونسی آیت پڑھیں۔ فرمایا آیت پڑھنی تو

---

[۱] نفحات الانس

بڑا کام ہے۔ یہی شعر پڑھ دیا۔ جو بہاری) رہاں کا ورد رہا ہے ؎

حیف اندریں خو شتر و ہمہ آخر کار
دست رسد رسد دوست بار سرد یک بار

عمر و بار اسعر بھی پڑھا جس نے مرتے دم تک ساتھ دیا ہے ؎

مطلبا یم آمدہ در کوئے تو
شیئاً للہ از جمال روئے تو

حضرت بہاؤ الدین سلطان ولد مولانا جلال الدین رومی کے برگزیدہ صاحبزادہ تھے۔ جب ان کا ر ا رجب ۲۱ ھ کو) انتقال ہوا۔ تو وفات سے پہلے ساری رات یہ شعر پڑھتے رہے ؎

امشب است آنکہ کہ علم شادی
در یا بم از خدائے خود آزادی

شیخ فخر الدین ابراہیم عراقی کا جن کا دیوان بھی بہت مشہور ہے اور سلطان مصر کے ارادتمندوں میں تھا ایک بیٹا تھا کبیر الدین نام جو ملتان میں رہتے تھے۔ وہ آپ کے پاس پہنچے۔ ان دنوں شیخ عراقی کا قیام دمشق میں تھا جب نزع کا وقت قریب آیا تو صاحبزادہ کو اور دیگر اصحاب کو بلایا وصیتیں کیں اور یہ رباعی پڑھتے ہوئے جان بحق تسلیم ہو گئے ؎

در سابقہ چوں قرار عالم دادند
مانا کہ نہ برمراد آدم دادند

زاں قاعدہ و قرار کان روز افتاد
نے بیش بکس قسمت و نے کم دادند

آپ کی وفات ۸ ذیقعد ۶۸۸ھ کو ہوئی مزار دمشق ہی میں ہے۔

ذوالنون مصری سے مرض الموت کے وقت پوچھا گیا کیا خواہش ہے۔ فرمایا ؎

الخوف امرضنی والشوق احرقنی
والحب افنانی واللہ احیانی

ترجمہ۔ خوف نے مجھکو بیمار کر دیا اور شوق نے جلا دیا اور عشق نے مجھے فنا کر دیا اور اللہ نے مجھے زندہ کیا

آپ سے وصیت کی فرمائش کی گئی کہا اب میری توجہ کو نہ ہٹاؤ اس کے بعد وفات پا گئے۔[۱]

---

[۱] تذکرۃ الاولیا مصنف مولانا فرید الدین عطار۔

سلطان محمد شاہ تغلق (۷۲۵ھ لغایت ۷۵۲ھ) دیپال پور اور ملتان سے ہو کر ٹھٹھہ (سندھ) میں قوم سومرہ کی استیصال کے لئے روانہ ہوا۔ بادشاہ کی طبیعت کچھ اچھی نہ تھی۔ اس کو بخار سے چند ہی دن ہوئے آرام ہوا تھا۔ علاقہ سندھ میں ایک مرتبہ مچھلی کھالی۔ اس سے بخار پھر پیدا ہو گیا۔ اور آخر ٹھٹھہ میں ۲۱ محرم ۷۵۲ھ مطابق ۲۰ مارچ ۱۳۵۱ء کو اجل کا حکمنامہ آپہنچا۔ مرتا تھا۔ اور یہ شعر پڑھتا تھا[1]

بسیار دریں جہاں چمیدیم — بسیار نعیم و ناز دیدیم
اسپان بلند بر نشستیم — ترکان گراں بہا خریدیم
کردیم بسے نشاط آخر — چوں قامت ماہ نو خمیدیم

آخری شعر پر وہ رقت طاری ہوئی کہ دم دم واپسیں ہو گیا۔ اس سے پہلے حالت بیماری میں ملک فیروز شاہ کو (جو بعد میں سلطان فیروز شاہ تغلق کے نام سے مشہور ہوا) مخاطب کر کے یہ شعر کہا تھا

تو سر سبز باشی بہ شاہنشہی — کہ من کردہ ام سر ز بالین تہی

حضرت شاہ غوث علی قلندری پانی پتی نے اپنی وفات سے سات ماہ پیشتر ان اشعار کو پڑھنا شروع کیا

درخت خشکم و امید برگ و بارم نیست — بغیر سوختن اے وا شیچ کارم نیست
چو عنکبوت بدیوار در سرے بازم — بنائے خانہ ہستی چو استوارم نیست

وفات سے ایک ماہ بیشتر جبکہ اکثر خدام اور ارادتمند بوجہ علالت و ضعف آپ کی زیست سے مایوس ہو رہے تھے۔ آپ ان اشعار کو اکثر پڑھا کرتے تھے

پیری میں ہم کو اپنے گھر سے طلب کیا — افسوس بعد فصل بہار آتے بر گئے
دیکھا دم نزع دلا رام کو — عید ہوئی ذوق حلیہ شد کہ

وفات سے چار دن پیشتر آیات کریمہ مثل الذین تحمل ...

---

[1] تاریخ ہندوستان جلد دوم صفحہ ۱۳۹ مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب دہلوی مرحوم

اولیاء کمثل العنکبوت اتخذت بیتا وان اوھن البیوت لبیت العنکبوت لو کانوا یعلمون" اور واللہ غالب علی امرہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون"
تادیر پڑھاتے اور سنتے رہے ۲۵ ربیع الاول ۱۲۹۷ھ یعنے وفات سے صرف
ایک دن پہلے صبح کے وقت شیخ سعدی کے یہ دو شعر پڑھے ؎

شنیدم کہ مستید مرغ سرشت بسر چشمہ بر لب گے نوشت
بیا چشمہ چوں ما بسے دم زدند برفتند چوں چشم برہم زدند

اسی دن کی شام کو نماز عصر آپ نے چار پائی پر ہی ادا فرمائی اور فرمایا
الحمد للہ اور پھر یہ شعر پڑھا ؎

چیست توحید آنکہ از غیر خدا فرد آئی در خلا و در ملا

آدھی رات گے دس بجے حضرت الوصال کا پردہ درمیان سے اٹھ گیا یعنے آپ
انتقال فرما گئے مزار آپ کا پاک پتن شریف میں ملاحق ہے

سلطان محمود غزنوی کے عہد حکومت میں حکیم سنائی غزنوی ہر پیشہ ہمراہی
کے مریدان تھے ایک بہت بڑے صوفی شاعر گذرے ہیں جنہوں نے عشق کی حالت میں
گوشہ نشینی اختیار کر لی یہاں تک کہ ایک پیر کو جب ملنے کی خواہش ظاہر کی آپ نے
کہلا بھیجا کیوں اس فقیر گوشہ نشین کا سامان راحت خراب کرنے کے لئے آتے ہو مولانا
روم نے بھی اپنی مثنوی میں حکیم سنائی کا ذکر کیا اور لکھا ہے کہ خواجہ حکیم سنائی جب نزع
کی حالت میں تھے تو آہستہ آہستہ کچھ پڑھ رہے تھے جب حاضرین نے ان کے منہ کے
پاس کان رکھے تو یہ شعر سنا گیا ؎

باز گشتم زانچہ گفتم زانکہ نیست
در سخن معنی و در معنی سخن

اس کے بعد آپ کا انتقال ہو گیا سنہ انتقال نفحات الانس میں ۵۲۵ھ لکھا ہوا ہے
حضرت پیر فتح شاہ صاحب رسکنہ پنج گرائیں ضلع سیالکوٹ ہمارے نوشاہی سلسلہ
میں ایک اولیا گذرے ہیں ان کا کچھ ذکر حصہ ششم میں بھی ہے آپ درود شریف

پڑھتے ہوئے بستر سے اٹھے ۔ اور کسی قدر بلند آواز سے مگر جذبے کے ساتھ مولوی غلام رسول صاحب سکنہ قلعہ میہاں سنگھ ضلع گوجرانوالہ کا یہ مشہور پنجابی شعر پڑھا ؎

صبا روضے رسول اللہ شے جائیں مرا احوال رو رو کے سنائیں

اے باد صبا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ پر جا ۔ اور میرا حال زار ان کی جناب میں رو رو کے سنا ۔

یہ شعر آپ کا آخری کلمہ ثابت ہوا ۔ اس کے بعد کسی سے کوئی کلام نہیں فرمایا ۔ بلکہ خاموشی اختیار کر لی ۔ اور جب لوگوں نے دیکھا تو آپ واصل بحق ہو چکے تھے ۔

سلطان محمود کیسا با جبروت شہنشاہ تھا ۔ سترہ دفعہ غزنی سے نکلا اور ہندوستان کو پامال کر کے اور بیشمار زر و جواہر اور لونڈی غلام لے کر واپس آیا ۔ دیو اجل نے آخر ۲۳ ربیع الاول ۴۲۱ھ مطابق ۱۹ اپریل ۱۰۳۰ء میں بعمر تریسٹھ سال آ دبوچا ۔ اس کی وفات کے ذکر میں اس کی اپنی تصنیف سے یہ قطعہ تاریخ ہندوستان (مولوی ذکاء اللہ) میں دیکھا گیا ہے جس کو وہ بحسرت و افسوس پڑھا کرتا تھا ؎

ہزار قلعہ کشادم بیک اشارت دست بسم مصاف شکستم بیک اشارت پائے
چو مرگ تاختن آورد ہیچ سود نداشت بقا بقائے خدا است و ملک ملک خدائے

یہ تحقیق معلوم نہیں کہ انتقال کے وقت اس نے یہ قطعہ پڑھا یا نہیں لیکن اس کی وفات ہی کے ذکر میں چونکہ یہ درج ہے ۔ اس لئے خیال ہے کہ یہ قطعہ جو حسرت و پشیمانی کا ایک مرقع ہے وہ ضرور پڑھتا ہوگا ۔ ویسے بھی عبرت انگیز سمجھ کر درج کر دیا گیا ہے ۔

شاہجہان صاحب قران کا انتقال ۲۶ رجب ۱۰۷۶ھ کو ہوا ہے اس وقت صرف ایک بیٹا عالمگیر جس نے اپنے باقی بیٹوں اور بھتیجوں کو ٹھکانے لگا دیا تھا اور خود باپ کو آگرہ میں قید کر کے دہلی میں رہتا تھا ۔ غرض اخیر وقت اس اولوالعزم شہنشاہ کے پاس صرف بیٹیاں ہی تھیں اس کا بستر مرگ نہایت حسرتناک ہے بیٹیوں سے آیات قرآنی پڑھوائیں خود بھی کلمہ شہادت پڑھا اور آخر آیہ ربنا آتنا فی الدنیا حسنة

ونحن الاحرار حسنة وقتباعدا ایہ الباہ پڑھکر دم دیا یہ آخری کلمات تھے جو اس کی زبان سے نکلے[۱]

عالمگیر کے عہد میں روح اللہ خاں میر بخشی کے عہدے پر مامور تھا اور بادشاہ کے مزاج سے آشنا تھا سخت بیمار ہو گیا بادشاہ خود اس کی عیادت کو گیا۔ اور اس کی صحت کے لئے دعا پڑھی روح اللہ خاں نے فرط طرب سے بے خود ہو کر بطور اظہار شکر گذاری یہ شعر پڑھا ؎

چہ بار بیفتہ باشد زجان بیمار مدے۔ کہ وقت جاں سپردن بسر رسیدہ باشی

اور جان آفریں کے سپرد کی روح در تن ملک نماند[۲]

تسلا کے ایبر پر بیسی کی طبیعت سے لطف ہوتی میں الفس روزہ یاگ کہنے لگا موت سے چار مہینے پہلے یہ رباعی کہی ؎

دیدی کہ فلک بمن چہ نیرنگ کرد مرغ دلم از قفس بد آہنگی کرد

آں سینہ کہ عالمے درو مے گنجد تا نیم نفس بر آورم تنگی کرد

یہ رباعی بار بار پڑھتا تھا۔ اور دل کی بیزاری دیکھ کر سرد آہ بھرتا تھا۔

مرنے سے چھ دن پیشتر اکبر خود عیادت کو آیا میں بول نہیں سکتا تھا بادشاہ نے آواز دی تو آنکھ کھولی ہاتھ سے آداب بجا لایا۔ مگر زباں سے جواب نہ دیا بادشاہ کچھ دیر ٹھہرا اور ایسے دربار کی طوطئ ہزار داستان کا سکوت دیکھ کر ملال آمیز خاموشی و تحیر کے ساتھ چلا گیا زباں بند ہونے سے پہلے یہی شعر اکثر پڑھا کرتا تھا ؎

گر ہمہ عالم ہم آید تنگ۔ بلبل قانع بیکے مور تنگ

سر سید احمد خاں ۵ ذی الحجہ ۱۲۳۲ھ ہجری مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو دلی میں پیدا ہوئے ۲۴ مارچ ۱۸۹۸ء کو بیمار ہوئے ۲۶ کی شام کو علامات ردیہ ظاہر ہونے لگیں ۲۷ مارچ کی صبح سے بہت سخت درد سر لاحق ہوا جو اس بات کی علامت

۱۔ [illegible] سلسلۂ [illegible]

۲۔ ارشاد ۲ عالمگیری تاریخ ہندوستان جلد ہشتم صفحہ [illegible]

تھی کہ یورک ایسڈ (Uric acid) دورانِ خون میں داخل ہو کر جلد جلد دماغ پر اپنا اثر کر رہا ہے۔ اسی دن شام کو شدید لرزہ کے ساتھ تپ چڑھی اور تھوڑی دیر میں ہذیان کی صورت پیدا ہو گئی۔ ان کی عادت تھی کہ ہمیشہ بیماری کی شدت میں "حسبی اللہ ونعم الوکیل" بار بار اور تکرار کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ اس دفعہ بھی ہذیان کی حالت طاری ہونے سے پہلے قرآن شریف کی یہ دو آیتیں برابر ان کی زبان پر جاری ہیں۔ (۱) حسبی اللہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر (۲) اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ آخر رات کے دس بجے انتقال فرما گئے۔ ان آیتوں کے بعد کوئی بات جو سمجھ میں آئے۔ انکی زبان سے نہیں نکلی۔[ا]

۶ شعبان المعظم ۱۳۳۰ھ مطابق ۲۴ جولائی ۱۹۱۲ء کو قصبہ کیرت پور ضلع بجنور کی ایک مسجد واقعہ محلہ دونی پورہ میں مولوی سعادت حسین صاحب واعظ دہلوی وعظ فرما رہے تھے۔ مجلس وعظ میں لائق اور ذی علم اصحاب بھی کثیر تعداد میں موجود تھے منجملہ انکے ایک بزرگ خانصاحب رجب علی خاں صاحب نقشبندی مجددی گورنمنٹ پنشنر جو عربی۔ فارسی اور انگریزی میں ماہر تھے۔ وعظ میں شریک تھے مولانا نے جب بطور استدلال مثنوی مولانا روم کا یہ شعر پڑھا ؎

کے پرد مرغے مگر با جنس خود — صحبتِ ناجنس گور است و لحد

اس کے سننے سے خانصاحب متاثر ہوئے پھر مولانا نے سلسلہ بیان میں یہ شعر شروع کئے ؎

حق فرستاد انبیا را بہر ایں — تا جدا گردد از ایشاں کفر و دیں

مومن و کافر مسلمان و جہود — پیش ازیشاں جملہ یکساں مے نمود

یہ دونوں شعر سنکر خانصاحب کا ذوق قلبی اور بڑھا۔ مگر صبر و سکون کے ساتھ ضبط کئے بیٹھے رہے مولانا نے یہ تیسرا شعر پڑھا ؎

پیش ازیشاں را ہمہ یکساں بدیم — کس ندانستے کہ ما نیک و بدیم

یہ شعر سنتے ہی مولانا کے جسم کو ایک غیر معمولی حرکت ہوئی اور دفعتاً گر پڑے حکیم داؤد خانصاحب نے فوراً اٹھ کر نبض دیکھی لیکن روح پرواز کر چکی تھی[۲] انا للہ وانا الیہ راجعون۔

[ا] حیاتِ جاوید حصہ اول صفحہ ۲۳۷ مصنفہ شمس العلما مولانا حالی مرحوم [۲] اس مضمون کے راقم خانصاحب محمد اسمٰعیل ہیں [illegible]

حصۂ چہارم

تیر و نشتر

حضرت خواجہ بہشت حاجی حافظ حکیم مولینا شاہ محمد حسین صاحب علی بہادر محب اللہ
الہ آبادی کے حالات [۱۳۴۴] کے دیکھنے سے جس قدر حیرت ہوتی تھی واقعات اس سے کہیں زیادہ
حیرت انگیز ثابت ہوئی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات اور
ان کے وصال کی جو کیفیت کتابوں میں لکھی ہے مولینا الہ آبادی نے اس واقعہ کو عین الیقین
حق الیقین کے مرتبہ تک پہنچا دیا ۔ رجب ۱۳۲۲ھ شب دوشنبہ کو میر تشریف محلہ
عیدگاہ میں آپ نے قریب دو گھنٹے تک حضور رحمۃ للعالمین روحی فداہ کے فضائل
حمیدہ و خصائل پسندیدہ بیان فرمائے اور سامعین کے ایمان کو تازہ فرمایا شب کو
وہیں قیام ہوا ۔ ۹ رکو اشراق کے بعد خوش خوش سید نثار احمد صاحب نائب متولی درگاہ
خواجہ صاحبؒ کے یہاں تشریف لائے (آپ کا قیام بھی یہیں تھا) حسب معمول چائے
نوش فرمائی اور خلاف عادت نئے کپڑے نکلوا کر زیب تن فرمائے (آپ کی عادت تھی کہ
جب کپڑے میلے ہو جاتے اور کوئی عرض کرتا کہ کپڑے بدل لیجئے تو آپ بدلتے اور اس
دن خود ہی نئے کپڑے پہنے) کنگھی کی خوشبو لگائی اور خوش و خرم جیسے عاشق کسی کی تمنائے
دیدار میں جاتا ہے محفل سماع میں تشریف لے گئے ۔ اول قوالوں نے نعت کی فرمائش کی بجائے
نے یہ شعر پڑھا

خشک تار و خشک چوب و خشک پوست — از کجا مے آید ایں آواز دوست

مولانا نے فرمایا

نے ز تار و نے ز چوب و نے ز پوست — خود بخود آواز مے آید ز دوست

حضرت شاہ صاحب نے قوال صاحب سے فرمایا صوفی نے مار ڈالا کیا بیت کہی ہے

پھر قوالوں سے ایک اور غزل کی فرمائش کی وہ ان کو یاد نہ تھی۔ پھر یہ غزل حضرت شاہ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی شروع کی ؎

آستین بر رُو کشیدہ ہمچو مکار آمدی الخ

مولینا ہر شعر کی شرح فرماتے جاتے تھے محفل پر خاص حالت طاری تھی جب قوال اس شعر ؎

گفت قدوسِ فقیرے در فنا و در بقا — خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی

پر پہنچا تو مولینا نے اس کے معنے اس طرح ارشاد فرمائے۔ قدوس رحمۃ اللہ علیہ نے جو اپنی فنا و بقا دونوں حالتوں میں محتاج تھے۔ نہ فنا ان کے اختیار میں تھی نہ بقا۔ اس صورت میں فقیرے، فنا و در بقا صفت ہوگی۔ اور قدوس موصوف اور مقولہ شیخ خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی یعنے ذات حق مرتبہ غیب الغیب میں سارے جہان سے بے نیاز تھی۔ ان اللہ لغنی عن العالمین۔ اور تنزل و اظہار کمال کے مرتبہ میں خود مقید ہو گئی جیسا دوسرے شعر میں وارد ہوا ؎

از تقاضائے حب جلوہ گری — آمد اندر حصار شیشہ پری

پھر ارشاد فرمایا کہ دوسرا علم آیا اور مقطع کا اپنی زبان فیض ترجمان سے اس طرح اعادہ فرمایا ؎

گفت قدوس فقیرے

یعنی فرمایا قدوس رحمۃ اللہ علیہ نے جو ہمہ تن فقر تھے کہ ذات مرتبہ فنا میں فقیر صفت ہوگی اور مقولہ در فنا و در بقا الی آخرہ ہوگا۔ اور خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی بطور لف و نشر مرتب کے ہوگا۔ یہ مطلب تمام فرمایا۔ اور اس جملہ خود بخود آزاد کو اپنی ذات پر تطبیق دے کر فرماتے تھے خود بخود خود بخود ہاں خود بخود دیکھتے ہی دیکھتے جان شیریں کو تقدیر جان آفریں کر دیا۔ اور سر بسجود ہو گئے۔ سب سے پہلے حضرت شاہ صوفی ابو النصر صاحب نے فرمایا کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ سول سرجن نے معائنہ کر کے بتایا کہ ان کو کوئی بیماری نہ تھی۔ دفعتہً کسی سبب سے قلب کی حرکت بند ہو گئی ہے۔ سکتہ

کے خیال سے مسجد بھی لی گئی جس سے قبر تک جلوس جاری تھا۔ گویا ایک مرتبہ شہادت
بھی آپ کو حاصل ہو گیا۔ یہ واقعہ ۱۹ ستمبر ۱۹۴۷ء دوشنبہ کے دن کا ہے۔

جب اس واقعہ کی خبر علیگڈھ پہنچی تو جناب زین العابدین صاحب صدر الصدور
پشاور نے دیوان حافظ کو ذریعہ لسان الغیب سے دریافت کیا کہ مولینا کی کیا حالت تھی۔
اور کیا ہوئی اور اب کیا حالت ہے۔ اس کے جواب میں یہ غزل نکلی ہے

زاہد خلوت نشیں دوش بمیخانہ شد ۔ از سر پیماں گذشت بر سر پیمانہ شد
شاہد عہد شباب آمدہ بودش بخواب ۔ باز بہ پیرانہ سر عاشق و دیوانہ شد
مغبچۂ می گذشت راہزن عقل و دیں ۔ در پے آں آشنا از ہمہ بیگانہ شد
آتش رخسار گل خرمن بلبل بسوخت ۔ چہرہ خنداں شمع آفت پروانہ شد
گریہ شام و سحر شکر کہ ضائع نگشت ۔ قطرۂ باران ما گوہر یکدانہ شد
نرگس ساقی بخواند آیت افسونگری ۔ حلقۂ اوراد ما مجلس افسانہ شد
صوفی مجلس کہ دوش جام و قدح می شکست ۔ دوش بیک جرعہ عاقل و فرزانہ شد
منزل حافظ کنوں بارگہ کبریاست ۔ دل بر دلدار رفت جاں بر جانانہ شد

ایک قوال کی زبانی جو مولینا مرحوم کی خدمت میں عرصہ سے رہا کرتا تھا معلوم ہوا کہ
اس غزل کو اکثر نہایت شوق سے سنا کرتے تھے اور اس شعر پر

آتش رخسار گل خرمن بلبل بسوخت ۔ چہرہ خنداں شمع آفت پروانہ شد

اور مقطع پر ہمیشہ وجد ہو جاتا تھا اور عالم کیف میں آکر کھڑے ہو جاتے تھے۔ یہ پوری غزل
آپ کی مکمل سوانح عمری ہے۔ جب سماع کا ذوق پیدا ہوا تھا تو ابتدا میں چھپ چھپ کر
دروازہ بند کر کے سنتے تھے جس کا اشارہ مطلع میں زاہد خلوت نشیں میں ہے۔ جس مجلس
میں وصال ہوا اس میں قوالوں سے اسی کی فرمائش کرتا اور شاہ صوفی جمال صاحب سے
مخاطب ہو کر یہ فرمانا صوفی کے مار ڈالنے کو یہی کافی ہے گویا مقطع کے اوپر کا شعر لفظاً
ومعناً زبان مبارک سے ادا فرمایا ہے۔ مولوی زین العابدین صاحب نے بہ لحاظ
مطلع غزل کے اس مصرع سے یہ تاریخ نکالی ہے ؎

صوفیٔ صافی نہاد شاہ محمد حسین — فانی فی اللہ گشت از ہمہ بیگانہ شد
حافظا خوشخواں ندا کردہ بہ باب دلم — دلبر دلدار رفت جا نب جانانہ شد

بابو عمر دراز خاں صاحب ایک صوفی باکمال بزرگ ہیں جن کو حضرت مولینا الہ آبادی سے ایک حد تک خاص تعلق تھا اور تھوڑے دنوں سے نہ تھا بلکہ ۱۸-۱۹ سال سے اسی زمانہ میں آپ نے لکھا تھا کہ " کل ۲۲ رجب یا ماہ اکتوبر ۱۹۲۸ء بروز شنبہ دو تین بجے شب کے درمیان میں نے مولینا صاحب ممدوح کو الہ آباد میں اپنی نشستگاہ پر عقب مکان آنجہانی کے رونق افروز ہوتے ہوئے خواب میں دیکھا۔ بندہ کی روح محض آپ کے دیدار پُرانوار سے مشرف ہونے کے لئے حاضر ہوئی۔ پہنچتے ہی بعد السلام علیکم کے قریب تر مولانا ممدوح کے بیٹھ گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ مولینا صاحب دام فیضہ ایک جبہ ریشمی یا بالفاظ دیگر حریر بہشتی سے مزین ہیں۔ مجھ پر کسی قدر وجدانی کیفیت طاری ہے۔ قلب پر اضطراب ہے۔ اہل اللہ کی فیض صحبت کے اثر سے یہ بات ہوا کرتی ہے عرصہ قلیل کے بعد میری زبان سے یہ فقرہ نکلا "واہ رے زاہد" یہ فقرہ روح نے حضرت ممدوح کی شان مبارک کے لئے نہیں استعمال کیا حسب عادت یونہی بے ساختہ کہہ اٹھی اور میں مسکرایا۔ ایک دفعہ نہیں متعدد بار مولانا ممدوح آنجہانی کے روئے انور کی طرف دیکھتا جاتا ہوں مسکراہٹ غلبہ پاتی جاتی ہے۔ اسی مضطرب حالت میں یکایک فرش پر لیٹ گیا ازراہ ادب پھر اٹھا۔ اور دیوار سے سہارا لے کر بیٹھا۔

واللہ میری عجب لطیف کیفیت تھی۔ روح اس قدر بشاش ہو رہی تھی کہ جس کی کیفیت رقم کرنے سے قلم قاصر ہے۔ غرض اسی حالت میں مولینا صاحب مجھ سے یوں مخاطب ہوئے عمر دراز خاں! میری طرف ذرا کسی قدر خمیدہ ہو کر مجھ کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ " جب میں نے حالت سماع میں حضرت عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کے شعر کے سننے سے مستغرق ہو کر عالم کثرت سے ذات احدیت کی طرف تمام وکمال رخ کیا تو یکایک مقام ہو ہو (یہ مقام لاہوت ہے جہاں نہ عبارت نہ اشارت نہ کلام کچھ نہیں) پہنچتے ہی بجبر جولیس (یعنی جسمانی ہستی کی طرف پھرنا چاہا تو نہ پھر اگیا۔ اور اپنی قوت فانی لے کام نہ دیا

سنتے ہی سیدہ نے کہا خوب یہ تو بڑا کمال ہے مولانا نے تبسم کناں ہوتے ہوئے جواب دیا
ہمیں بھی میں اس قابل کہاں، آپ پر بسانی تھی اکثی میری طرف کروٹ بدلی ہے تو فوراً
دوسرے رخ کروٹ لے لی مجھے اضطراب تھا آپ کے روبرو میاں عبدالرحمان صاحب
شاکر دِ رشید بھی بیٹھے ہوئے تھے میاں لایت حسین صاحب حضرت مولانا محمد رح آکملی
شاہد کھڑے تھے خادم کی آنکھ مولانا کے اس آخری جملہ پر کہ ہمیں بھی میں اس قابل کہاں
سے کھل گئی۔

"حضرت خواجہ نور محمد صاحب تیراہی (علاقہ سرحد افغانستان میں) ایک بزرگ کامل
گذرے ہیں ان کے ایک خلیفہ مولوی حسن علی تھے حضرت خواجہ چونکہ عموماً سفر میں رہا کرتے
تھے اس لئے مولوی حسن علی کے دل میں وطنی پیدا ہوئی کہ یہ اچھے ولی اللہ ہیں کہ ایک دن
بھی کہیں قیام نہیں رکھتے میں اس پیری مریدی سے باز آیا اور پھر دل میں کہا کہ کوئی موقع
دیکھ کر رات کو بھاگ جاؤنگا ان خیالات کو چند ساعت گذرے تھے کہ مولوی حسن علی وقتاً
سخت بخار میں مبتلا ہو گئے حضرت خواجہ صاحب تشریف لائے پوچھا کیا حال ہے مجھ
وطن کیا حسب تکلف سے فرمایا دیر ل سے وطنی ا ر بد اعتقادی اچھی نہیں ہمارا
دامن مگر اسے تو ثابت قدم رہو یہ سنکر حسن علی ان کے قدموں پر گر پڑا اسی حالت
میں اس پر وجد طاری ہوا حالت وجد میں اس شعر کو بار بار پڑھتا اور چیخیں مار مار کر
رونا تھا ؎

دامن دو بیم جست کاکل پریشاں کر درت ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ چند پریشاں تو دارا ہم پریشاں کرد درما

جب ہوش میں آیا تو کہا ؎

ما ہم دو بی رندسے سے خیال ناکسد الی ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ مرادلیوانہ خو کن بہر سنگے کسے خواہی

حضرت خواجہ صاحب کے مریدان خاص میں سے جان محمد نام ایک مشہور خلیفہ تھا جب
وہ وجد میں آتا تھا تو ملا علی کسمیری کے اس شعر کو پڑھا کرتا تھا اور جب خود سمجھا تا تھا
تو اپنے دل کو پڑھنے کی فرمائیں کہا کرتا تھا وہ شعر یہ ہے ؎

جس سرسے محبت سر مرا کر ۔ ا سیر ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ام پھر تک رہیں تو دگر دستار تندم

حضرت خواجہ صاحب کے خادموں میں ایک طالب علم بنام ولی کہ شاعر خوش گو بھی تھا۔ پنکھا جھلنے کے کام پر تھا۔ اس کے دل میں یہ خیال گذرا کہ حضرت بابا صاحب کی فیض صحبت اور نظر کیمیا اثر سے کئی لوگ ساحل مراد تک پہنچ گئے ہیں ابھی تک جوں کا توں ہوں۔ اسی اضطراب کی حالت میں کہ ہاتھ میں پنکھا تھا مجلس گرم تھی۔ اور حضرت تشریف فرما تھے نہایت سوز و گداز سے ایک غزل پڑھی جس کے چند شعر ذیل میں درج ہیں۔

زفروغ چشم رویت شدہ گرم بزم خوباں | بجبین ہر پری رو عرق حیا نشستہ
شدہ خاکِ من غبارے بہوائے عزم کویت | بہزار امید واری بر رہ صبا نشستہ
دل ستمند ما را زبہم ربود شوخے | بچہ دلبری ربودہ بچہ خوش ہوا نشستہ
بہ کشتنِ ولی گر نبود نگار مائل | بکنار مدعی پس بچہ مدعا نشستہ

مقطع کو اس درد دل کے ساتھ پڑھا کہ یاران مجلس جو پہلے ہی جھوم رہے تھے وجد میں آ گئے۔ حضرت خواجہ صاحب بھی متاثر ہوئے اور فرمایا ولی تم آج سے فی الواقعہ ولی ہو۔ یہ غزل ایک دفعہ پھر سناؤ۔ ولی نے نہایت خوش آوازی سے پھر اس کو پڑھا۔ اور حضرت کی دعا سے صاحب ولایت ہو گیا۔

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا سوز و گداز اور اضطراب و کرب کی ایک زندہ تصویر تھے۔ آپ جب پہلے پہل حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بابا شکر گنج نے ان کو دیکھ کر با آواز بلند یہ شعر پڑھا ؎

اے آتشِ فراقت دلہا کباب کردہ | سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

یہ شعر حضرت گنج شکر کی زبان سے نکلتے ہی تیر کی طرح حضرت خواجہ کے دل میں لگا وہ تڑپتے اور لوٹتے تھے۔ اور "دلہا کباب کردہ جانہا خراب کردہ" کے نعرے لگاتے تھے۔

ایک مرتبہ قاضی شہاب الدین نے اپنے ایک وعظ میں یہ رباعی پڑھی ؎

لب برلب دلبران بہوش کردن | واہنگ سر زلف مشوش کردن
امروز خوش است لیک فردا خوش نیست | خود را چو نے طعمہ آتش کردن

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا فرماتے ہیں کہ یہ رباعی سن کر میں اتنا وارفتہ ہو گیا اور بہت دیر کے بعد مجھے خبر ہوئی کہ میں کہاں ہوں اور کیا کر رہا ہوں لوگ مجھے دیکھ رہے تھے اور حیران تھے۔

قاضی شہاب الدین جو بھی صاحب حال و قال تھے حضرت نظام الدین اولیا فرماتے ہیں ایک دن مجلس سماع گرم تھی شیخ صدرالدین غزنوی کی ایک غزل پڑھی جا رہی تھی ایک شعر یہ ہے ؎

سوختہ میکرد مہر تو چہ گر در مجمے — آہ ازیں سوز مرا آمد لو چہ کر آتش گرفت

تمام مجلس کی حالت دگرگوں تھی مگر قاضی صاحب سب سے بڑھ گئے۔ انہوں نے جوش مستی میں اپنی دستار اور کرتے کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

ایک مجلس میں قوال نے یہ شعر پڑھا ؎

محرام مدیں صعب ما دا — کر حیتم مدب رسد کر مدے

اس شعر کے سنتے ہی حضرات خواجہ پر رقت طاری ہو گئی۔ قوال نے اس سے آگے اور شعر پڑھنا چاہا! آپ روتے تھے اور کہتے تھے یہی وہ شعر پڑھو۔ اور بار بار پڑھو۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک دن مجلس سماع گرم تھی تمام درویش حاضر تھے خواجہ بختیار بھی تشریف فرما تھے شیخ جلال الدین تبریزی کہ مرد کامل تھے حضرت خواجہ کی ملاقات کے لئے آئے۔ خواجہ کو بھی کشف سے معلوم ہو گیا تھا قوالوں سے ایک خاص غزل کی فرمائش کی جسے شیخ بیٹھے تو قوال یہ شعر گا رہے تھے ؎

در مسکدۂ وحشت تسماریم گم — در عالم بیرنگی خریداریم گم

شیخ اس وقت تک سماع کے قائل نہ تھے یہ حال دیکھکر شیخ بھی وجد میں آگئے

کتاب فوائد السالکین میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ چند قوال آپ کی خدمت میں آئے اور اس شعر کو نہایت خوش الحانی سے گانے لگے ؎

سرود چیست کہ چندین فسونِ عشق دروست　　سرود محرم عشق است و عشق محرم اوست

خواجہ بختیار اس شعر کو سنکر گر پڑے۔ سات دن اور سات رات تک (صرف نماز کے وقت کے سوا) بے ہوش رہے۔ اور کھانے پینے کی مطلق پرواہ نہ تھی۔

خواجہ بختیار کی رحلت کا واقعہ بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں ہے۔ آپ شیخ علی سنجری (اور با لفاظ تاریخ فرشتہ خواجہ قطب الدین علی سجستانی) کی خانقاہ میں سماع سن رہے تھے جب قوال اس شعر پر پہنچے ؎

کشتگانِ خنجر تسلیم را　　ہر زماں از غیب جانے دیگر است

خواجہ بختیار کی طبیعت میں ایک تغیر واقع ہؤا۔ آپ بیہوش ہو گئے۔ قاضی حمید الدین ناگوری اور شیخ بدر الدین غزنوی آپ کو آپ کے مکان پر لائے۔ لیکن آپ کی حالت بدستور اسی طرح تھی۔ پھر قوالوں کو بلایا گیا۔ انہوں نے جب وہی شعر پڑھا جس میں "از غیب جانے دیگر" کا ذکر تھا تو آپ نے حرکت کی۔ لیکن نہ آنکھیں کھولیں نہ کسی سے بات چیت کی۔ یہ حالت تین شبانہ روز رہی۔ چوتھے دن آپ داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔

شیخ فرید الدین گنج شکر ایک دفعہ حجرہ کا دروازہ بند کر کے بہزار شوق و محویت یہ رباعی پڑھ رہے تھے ؎

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے تو زیم　　خاکی شوم و زیر پائے تو زیم
مقصود من بندہ نہ کونین توئی　　از بہر تو میرم و برائے تو زیم

شیخ نظام الدین اولیاء نے مولانا بدر الدین اسحاق کے توسط سے دیکھا کہ شیخ جامِ عشق سے مدہوش ہیں اور رباعی پڑھے جا رہے ہیں۔ اور ہاتھ پشت پر رکھے وجد کر رہے ہیں۔

تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ قوالوں نے حضرت نظام الدین اولیا کی مجلس میں حکیم سنائی کے یہ دو شعر پڑھے ؎

ہیں منما جمال جان افروز　　در ہجو دی بر دسپند لبسوز
آن جمال تو چیست ہستئے تو　　واں سپند تو چیست ہستئے تو

تو حضرت محبوب الٰہی پر وجد کی حالت طاری ہوگئی اور بار بار اہل شعروں کو قوالوں سے سنتے رہے شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کے حالات میں سفینۃ تاریخ فرشتہ لکھا ہے کہ شیخ ایک دفعہ اپنے داماد اور مرید شیخ ابراہیم عراقی کی محفل میں گئے وہاں قوال شیخ عراقی کی یہ غزل گا رہے تھے ؎

برائے سینہ مرغ جاں عاشق — ز زلف ماہرویاں دام کردند
بعالم ہر کجا رنج و ملامت — بہم کردند و عشقش نام کردند
زبہر نقل مستان از لب وچشم — مہیا شکر و بادام کردند
چو خود کردند راز خویشتن فاش — عراقی را چرا بدنام کردند

غزل کے اکثر شعروں پر حضرت شیخ کو ایک جنبش سی ہوتی رہی مگر مقطع نے تو اک آگ سی لگادی جس سے آپ دیر تک تڑپتے رہے اور وجد و حال کے عالم میں نعرے مارتے رہے۔

عبداللہ نام ایک قوال حضرت شیخ زکریا کی خدمت میں آیا اور کہا شیخ بہاؤالدین شہر مردی بہری آواز کے دلدادہ ہیں۔ اگر آپ بھی سماعت فرمائیں تو بندہ نوازی سے بعید نہ ہوگا شیخ نے اجازت دی پھر رات گئی محفل گرم ہوئی۔ عبداللہ نے یہ غزل شروع کی

مستاں کہ شراب ناب خوردند — از پہلوئے خود کباب خوردند ؎

شیخ وجد میں آکر ایسا دہ ہوگئے۔ اور ہو حق کے نعرے لگانے لگے۔ قوال دوسرا شعر پڑھنا چاہتا تھا مگر شیخ نے اسی شعر کا تکرار جاری رکھا اور جب تک حالت وجد میں رہے۔ اسی شعر کو بہ تکرار سنتے رہے

شیخ وحیدالدین عثمان جو سیاح کے نام سے زیادہ مشہور ہیں حضرت شیخ نظام الدین اولیا کی ملازمت میں مرتبہ خاص رکھتے تھے بادشاہ غیاث الدین نے حکم دے رکھا تھا کہ جو مطرب یا قوال کسی صوفی کی مجلس میں گائیگا یا کوئی صوفی سماع کی محفل کرائیگا تو دونوں کی زبانیں گدی سے کھینچ لی جائینگی اس خوف سے کسی صوفی کو راگ سننے اور کسی قوال کو سنانے کی تاب نہ تھی مگر حسن قوال جو شیخ نظام الدین کے وظیفہ خواروں میں تھا معتمد

قوالوں کے شیخ عثمان کے جماعت خانہ کی طرف سے گزرا اور سلام کے لئے اندر آیا شیخ عثمان نے کہا میر حسن! آہستہ آہستہ گنگناؤ۔ میر حسن نے عذر کیا اور کہا کہ حضرت! بادشاہ کو سماع سے اس قدر ضد ہے کہ کوئی شخص قرآن بھی خوش آوازی سے نہیں پڑھ سکتا شیخ عثمان نے دروازہ بند کر لیا۔ اور اس کو گانے پر مصر کیا۔ آخر میر حسن نے ابھی ایک بیت ہی ؎

زاہد ز دیں برآمد و صوفی ز اعتقاد ترسا مجوسی شد و عاشق ہما کہ ہست

شروع کی تھی کہ شیخ عثمان وجد میں آ گئے۔ بیخودی میں کودنے لگے۔ اور دروازہ کھول دیا۔ تمام شہر میں خبر پھیل گئی۔ آگے قصہ بہت طولانی ہے مختصر یہ ہے کہ آپ کو بادشاہ نے سختی سے حاضری کا حکم دیا۔ آپ ابھی راستے ہی میں تھے کہ بادشاہ کا غصہ مبدل بہ التفات ہو گیا۔ اور آپ تین شبانہ روز تک اعزاز و اکرام کے ساتھ قصر خاص میں بطور مہمان شاہی فروکش رہے۔

حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے حالات میں لکھا ہے کہ دہلی کے نواب غازی الدین خاں نظام الملک حضرت کے پیر بھائی تھے۔ نواب نے مجلس سماع منعقد کر کے ایک دفعہ حضرت خواجہ صاحب کو (جو ان دنوں دہلی میں تھے) معہ ان کے اکثر خلفا کے مدعو کیا حضرت تشریف لائے۔ قوالوں نے حضرت جامی کی یہ مشہور غزل شروع کی ؎

اے ترک شوخ دیں ہمہ ناز و عتاب چیست با دل شکستگان ستم بے حساب چیست
گفتی شبے بخواب تو آئیم و لے چہ سود چوں من بعمر خویش ندانم کہ خواب چیست
از مدرسہ بکعبہ روم یا بہ میکدہ اے پیر رہ بگو کہ طریق صواب چیست
گر من نہ غرق آتش عشقم ز شوق تو ایں سینہ ہمہ آتش و چشم پر آب چیست
جامی چو لاف مے زنی از پاک دامنی بر خرقۂ تو ایں ہمہ داغ شراب چیست

از مدرسہ بکعبہ الخ پر حضرت خواجہ صاحب کو ایسا وجد طاری ہوا کہ آنکھوں سے خون کے فوارے جاری تھے۔ خلفا اور مرید آپ کے دونوں ہاتھ پکڑ کر آپ کو طواف کراتے تھے۔ قبلہ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی بھی شامل سماع تھے۔ آپ نے یہ نوبت

[illegible] خواجہ محمد سلیمان تونسوی

دیکھ کر قوالوں کو منع کیا اور کہا بس کرو ہمارا فقیر مرا جاتا ہے

سلطان علاء الدین حسن بہمنی (تاریخ وفات ۲۸ ربیع الاول ۷۵۹ھ عمر ۶۷ سال) خاندان بہمنی کا بانی تھا۔ جس کی سلطنت دکن میں بہت زور پر رہی ہے بادشاہ اپنے چھوٹے بیٹے محمود سے بہت محبت رکھتا تھا ایک دن فرمایا محمود کہاں ہے؟ عرض کیا گیا مدرسے میں سبق پڑھ رہا ہے بلوا لیا اور پوچھا بیٹا کیا پڑھتے ہو عرض کیا بوستاں فرمایا کوئی حکایت سناؤ۔ اس پر محمود نے یہ حکایت پڑھی ؎

شنیدم کہ جمشید فرخ سرشت ۔ بسر چشمہ بر سنگے نوشت

برین چشمہ چوں ما بسے دم زدند ۔ برفتند چوں چشم برہم زدند

گرفتند عالم بمردی و زور ۔ ولیکن نہ بردند با خود بگور

تاریخ فرشتہ کے تیسرے مقالے تذکرہ سلاطین دکن میں لکھا ہے کہ جب سلطان علاؤ الدین حسن نے تیسرا شعر سنا تو بے اختیار ہو کر ہائے ہائے کے نعرے مارنے لگا اور دیر تک زار زار روتا رہا جب ہوش میں آیا تو تینوں بیٹوں کو ملا کر اتفاق و اتحاد اور خیرات و صدقات کی وصیت کرتا اور بہ آواز بلند الحمد للہ کہتا ہوا واصل بحق ہو گیا۔

دہلی میں نور بائی کا نام بہت مشہور ہے جس کو محمد شاہ بادشاہ کے دربار میں بہت رسوخ حاصل تھا نور بائی ایک دن نواب روشن الدولہ کے ہاں ہنسی چہل کی باتوں میں مشغول تھی کہ اتفاقاً میراں سید بھیک صاحب جن سے نواب کو بہت عقیدت تھی تشریف لے آئے نواب نے نور بائی کو دوسرے کمرے میں اٹھوا کر مجلس چھڑوا دی۔ میراں صاحب اتفاق سے بہت دیر تک بیٹھے رہے نور بائی بہایت چلبلی طبیعت کی عورت تھی وہ بے تاب ہو کر باہر نکل آئی اور شیخ میراں کے حضور میں جھک کر آداب بجا لائی اور عرض کی کہ لونڈی کو حکم ہو تو کچھ گائے شیخ سماع کے عاشق تھے جواب نہ دیا لیکن خاموش ہو رہے بائی نے نہایت سوز و گداز سے یہ رباعی گائی ؎

بشنیدہ ام کہ نے فاختہ گفتا ستی کز بیر ستی وید شد ہوستی

زن گفت چنانکہ مے تمایم ہستم تو بر چنانکہ بنمائی ہستی

مولانا حالی مقدمہ شعر و شاعری میں لکھتے ہیں کہ اس پر محل ر باعی کے سننے سے شیخ کی حالت ایسی متغیر ہو گئی کہ باعی کو اپنی جسارت سے سخت نادم ہونا پڑا۔ باوجودیکہ نور باعی کو خاموش کر دیا گیا تھا شیخ کی شورش کسی طرح کم نہ ہوتی تھی۔ وہ زمین پر مرغ بسمل کی طرح لوٹتے تھے۔ اور دیواروں میں سر دے دے مارتے تھے۔ دیر تک یہی حال رہا اور بہت مشکل سے ہوش میں آئے۔

مولینا سید احمد صاحب[۱] بریلوی جن دنوں درویشانہ زندگی میں رہتے تھے۔ چشتیہ طریق میں لوگوں سے بیعت لیا کرتے تھے یہ حالات سنہ ۱۲۴۰ھ ہجری المقدس تک رہے۔ اسی زمانہ میں ایک شخص صوفی نام باشندہ دہلی آپ کی بیعت اور بزرگان دین کے کمالات سے انکار کرتا تھا۔ لوگوں نے اس کو بہت سمجھایا۔ مگر اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر اس نے حسب قاعدہ مقررہ درود وغیرہ پڑھ کر بہ نیت فال دیوان حافظ کھولا تو اول صفحہ کی پہلی سطر ہی میں یہ شعر نکلا ؎

کجاست صوفی دجال چشم ملحد شکل

بگو بسوز کہ مہدی دین پناہ رسید

یہ شعر دیکھتے ہی صوفی کے دل پر ایک برچھی سی لگی۔ عرق شرم سے تر ہو گیا۔ دوڑا ہوا مولانا کے پاس گیا۔ اور نہ صرف بیعت کی بلکہ دیگر بزرگان دین کے متعلق جو خرافات بکا کرتا تھا

[۱] مولانا سید احمد بریلی میں یکم محرم الحرام ۱۲۰۱ھ کو پیدا ہوئے ۱۲۴۰ھ تک ان کی زندگی بالکل درویشانہ رہی۔ لیکن ۱۲۴۰ھ سے ۱۲۴۶ھ تک زندگی میں سپاہیانہ دور پیدا ہوتا ہے۔ اور درویش و فقیر و اولیا کے سخت خلاف ہو جاتے ہیں اور حد سے زیادہ۔

اس سے توبہ کی ۔

مولانا فریدالدین شکر گنج جو بابا فرید شکر گنج کے نام سے زیادہ مشہور ہیں جب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی خدمت میں بمقام دہلی حاضر ہوئے تو حضرت خواجہ نے ان سے فرمایا کہ مردانِ خدا بڑے بڑے مرحلے طے کر کے عشق و وصل کے مقام پا سکتے ہیں یہ سعادت سب لوگوں کو حاصل نہیں ہو سکتی ہے خدا کا بس نام ہے بقول ع

نام میں اس کے تو الطاف حمیدی لیکن   تجھ سے کیا ہو سکتی ہے تو کسی قابل ہوتا

تب ہر دم ایسا ہے جو مرد پیچھے کی مشق کرتا رہے جب کہ اس کو دل صاف و صفا سے قدم بڑھائے اور دل سے چلے کبھی در الٰہی تک نہیں پہنچ سکتا ان الفاظ کے بعد یہ اشعار ہے

تو راہ نرفتہ از آن نمود رہ   ورنہ کہ بر درِ این منزل بر نہ کشود

جہاں ذرہ لباست اگر بہ ہوائی   نہ بیرچیان لشنو کہ ایتان لو مد

ان مبارک سے کچھ اس طور گداز کے ساتھ بیان فرمائے کہ بوڑھا اٹھ کھڑے ہو گئے اور عالمِ تحیر میں مشغول ہو گئے

۲۷ رجب ۶۵۵ ہجری کا دن تھا اور حضرت فرید مسئلہ سماع پر گفتگو فرما رہے تھے شیخ بدر الدین مولوی شیخ جمال الدین ہانسوی شمس دبیر نظامی سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی اور کچھ اور بزرگ اور مرید بیٹھے ہوئے تھے یکایک خواجہ شمس الدین قوال اپنی جماعت کے ساتھ حضرت بابا صاحب کے سلام کے لیے آگیا آپ نے فرمایا کچھ سناؤ محمد شاہ حضرت احمد الدین کرمانی کا جو قول تھا وہ گانا شروع کیا حضرت فرید بابا عالمِ سرور میں مستغرق ہو گئے اور رقص کرنے لگے ایک رات یہی حالت طاری رہی نماز کے وقت نماز پڑھ لیتے اور پھر سماع میں آجاتے غزل کے چند شعر یہ ہیں۔

لہ نرم قریہ منظور مرین

ملامت کردن اندر عاشقی راست	ملامت کے کند آنکس کہ نہ باست
نہ بر تر داشتے را عشق نزیبد	نشان عاشقی از دور پیدا است
نظر می تا توانی پارسا باش	کہ نور پارسائی شمع دلہا ست

جس شعر کو حضرت شیخ الاسلام فرید بابا کی زبان سے بار بار نکلنے ذوق و زاری اور وجدانیت و سرور پیدا کرنے کا سب سے زیادہ فخر حاصل ہے۔ اس کو حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی نے بھی کتاب راحت القلوب میں ہر ایسے مقام پر درج کیا ہے جہاں اس کا ذکر آیا ہے۔ وہ شعر یہ ہے ؎

در کوئے تو عاشقاں چناں جان بدہند	کانجا ملک الموت نگنجد ہرگز

حضرت سلطان المشائخ لکھتے ہیں - ۱۳ شعبان ۶۵۵ھ کا واقعہ ہے۔ حضرت فرید بابا شیخ البرالحنت ابنی کے فضائل بیان کر رہے تھے جب اُن کے وصال پر پہنچے تو فرمایا انہوں نے مرنے سے پیشتر ہی سامان درست کر لیا۔ ایک غسال تک کا بھی انتظام کر رکھا تھا۔ جب وقت آیا تو کہا سب میرے پاس سے چلے جائیں۔ لوگوں کے جانے کے بعد سورہ یٰسین شروع کی۔ اور جب فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شیء والیہ ترجعون پر پہنچے تو آخری سانس پورے ہو گئے۔ آواز آئی دوست دوست سے پیوست ہو گیا۔ حضرت فرید بابا یہ ذکر کر کے رو دیے تھے اور یہ شعر پڑھتے تھے ؎

در کوئے تو عاشقاں چناں جان بدہند	کانجا ملک الموت نگنجد ہرگز

اور نعرہ مار کر بے ہوش ہو گئے۔ اور جب ہوش آیا تو اسی شعر کو دہرانے لگے۔ ہر بزرگ کے وصال کے موقع پر حضرت فرید بابا نے یہ شعر پڑھا ہے۔ اور چشم پُر آب ہو کر جھوم جھوم کر مزے لے لے کر نعرے مار مار کر اس کا مطلب لوگوں کو سمجھایا ہے۔ اور فرمایا ہے طالب کو چاہیے کہ مطلوب کے عشق و محبت میں ہر لحظہ مستغرق رہے اور اس کی یاد کبھی دل سے محو نہ کرے۔ راحت القلوب[۵۵] میں اس کا مفصل ذکر ہے۔

راحت القلوب میں لکھا ہے۔ ایک دن فرید بابا پر حالت طاری ہوئی فرمایا کہ ...

[۵۵] بزم فریدی راحت القلوب کے اردو ترجمہ کا نام ہے جو درویش پریس دہلی سے ۔۔ ملتا ہے

وہ قوال ہوتے تو پھر سے پھر وہی عالم وجد میں یہ رباعی ارشاد فرماتے ہے

آں عقل کجا کہ در کمال تو رسد   وآں دیدہ کجا کہ در جمال تو رسد

گیرم کہ تو پردہ برگرفتی ز جمال   آں روح کجا کہ در جلال تو رسد

اس رباعی میں یہاں تک استغراق رہا کہ اسی حال میں ایک رات دن گزر گیا

حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی ایک مرتبہ شیخ محمد ہانسوی کے پاس جو حضرت قطب الدین بختیار کے یاران خاص میں سے تھے چلے گئے وہاں سے حضرت بابا فرید کی خدمت میں ایک مکتوب لکھا جس میں یہ شعر تھا

ناگاہ کہ بندہ تو داند مرا   ہر مرد کہ دیدہ تا بداند مرا

لطف عامت بجائے فرمودہ است   ورنہ کہ در کجا رسد [illegible]

فرید صاحب اس شعر پر پہنچے تو حالت متغیر ہو گئی کچھ دنوں کے بعد جب حضرت محبوب الٰہی خود بھی حاضر ہو گئے حضرت نے فرمایا تم نے اپنے مکتوب میں ایک شعر کہیں سے لکھا تھا جس کو میں نے یاد کر لیا ہے اور جب تم یاد آتے ہو تو میں اس کو پڑھتا ہوں اس کے بعد فرمایا کہ یہاں سے بھی وہ شعر سننا چاہتا ہوں حضرت محبوب الٰہی فرماتے ہیں جس وقت میں نے وہ شعر پڑھا سنتے ہی آپ پر رقت طاری ہو گئی اور بے حد نہایت رقت فرمایا حسام وجد و کیف سے فارغ ہو گئے۔ اور سکون کی حالت پیدا ہوئی۔ تو شیخ نعلین چوبی مسواک اور مصلی عصا اور خرقہ خاص عطا فرمایا اور گود میں لے کر کہا مولینا نظام الدین دل یہ چاہتا ہے کہ میں تم کو رخصت کروں اور تم نہیں۔ مجھے سکون لیکن ابھی چند روز یہاں رہو کہ ملاقات و دیدار غنیمت ہے حضرت مولینا محبوب الٰہی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد چشم پرآب ہو گئی اور آنسوؤں کو جس معنے آنکھوں سے باہر نکالا بعد شعر ذیل ہے

دیدار دوستان موافق غنیمت است   چوں یافتیم حیف بود گر نہ بنگریم

۳ ربیع الاول ۶۵۲ھ کا ذکر ہے حضرت فرید بابا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کے عالم جمال کا ذکر کر رہے تھے حاضرین مجلس سے ایک نعرہ بلند ہوا

حضرت پر بھی محویت کا عالم طاری ہوا حضرت محبوب الٰہیؒ فرماتے ہیں میں حاضر تھا فرمایا
۔ جن کی خاطر تمام عالم پیدا کیا انہی کو جب عالم میں نہ رکھا تو پھر میں اور تم کون ہیں ۔
شمس دبیر بھی حاضر خدمت تھا۔ اس نے عرض کیا نظامی کی ایک نظم برمحل یاد آئی ہے
فرمایا پڑھو۔ جب نظم پڑھی گئی تو حضرت فرید بابا پر عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ اور ۔ ۵
ایک پہر تک عالم بیخودی اور غائب دکیفیت کی حالت میں رہے نظم حسب ذیل ہے

چراں بلبیت باز سیر نگیس اُو ... دہائے بجنگ آزاد چنگ اُو
نشیمہ و بلبلی دریں باغ کس ... تماشا کند سہر ہیے یک نفس
درس پر دہ معنی بیدہ نیست ... کہ کیسہ بہر مرد خود کامہ نیست
درد سیر دہ نو دمے مے رسد ... یکے سیر دو دیگرے مے رسد
جہاں گرچہ آرام گاہ خوش است ... شتابندہ را نعل در آتش است
ود در دارد این باغ آراستہ ... درو بندایں سیر دو برخاستہ
در آ از در سکہ باغ بنگر تمام ... زدیگر در باغ بیرون خرام
اگر زیر کی با گلے خو نگیر ... کہ باشد بجا ماندنش ناگزیر
بیکے را در آرد بہ ہنگامہ تیز ... دگر راز ہنگامہ گوید کہ خیز
نہ آمی سبک بار ماراں بشمارند ... تو ماناری بغم خم گساراں بنند مد

حضرت خواجہ نور محمد صاحب المشہور حضرت بابا جی صاحب تیراہی ایک مرتبہ موضع
ڈراوڑاں مقیم تھے ۔ وہاں دو افغان جہان خاں اور شہر لیف خاں نے ڈاکہ زنی اور چوری
کی وارداتوں سے مواضعات کا دم ناک میں رکھا تھا۔ خدا کی قدرت سے دونوں بابا جی
بیعت کے لئے حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا اگر چوری ترک کر دو گے تو مریدوں میں داخل
ہو سکتے ہو۔ غرض وعدہ کر کے وہ ارادتمندوں میں داخل ہو گئے۔ لیکن خوئے بد در
طبیعت گشت مشکل ہی سے جاتی ہے چنانچہ دونوں بھائیوں نے معہ چند اور
ڈاکوؤں کے رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اللہ نور حضرت باباجی کے ایک مرید
کے گھر نقب لگائی ۔ اللہ نور کا ایک لڑکا پندرہ سالہ عمر کا تھا وہ جاگ اُٹھا۔ اور اس نے

حال مال کو اس پر رستے لعل میں دبایا کہ دریت عدا کہ ان کی بیٹی کی جانے چھوٹ
جائے معلوم ہوا کہ ستمن مال اپنی پر کتان سے طلب دلوا کے باہر جو
جو چور تھے انہوں نے جان مال لو آو اور دست کر مدد میں جیسے کی اجازت طلب
کی کہ اس نے کہ تم جلے جاو میں آرہا ہوں تم گھر والوں نے ہیں بلکہ ما
صاحب نے پکڑ کر لڑکے کے حوالے کیا ہے جب سحری کا وقت آیا تو گھر والوں نے
اور جان مار نے مل کر کھانا کھایا دن نکلے ہی حضرت بابا صاحب بھی تشریف
لائے اور فرمایا تم کو صبح کہا گیا تھا ہم آرہے آتے اس نے کہا یہ قصور معاف
کیا جائے تمدہ بارگاہ میں کے لئے اور سے حضرت نے فرمایا

دہر لبس لسانت سماج اہل تو ۔۔۔ گر کس کہ کہنگا رجوا ہد بود

معلوم نہیں میں ور اور کس سے گذارے یہ شعر پڑھا گیا کہ جان جان سنتے
ہی لوٹنے لگ رو یا اور دھاڑیں مارتا تھا اور حضرت کے پاس وجان کو دعائیں
دیا کرتا ۔

خواجہ محمد جمال شاد صاحب مصنف اور میری ہی حضرت بابا صاحب کی
خدمت میں آپ ہی کہتا ہے کہ حضرت بابا صاحب کا ایک دم
بیان کرتا ہوں صبح بکاؤ صبح کے کار ہے بالا کہا جس کا آپ کی بات مرض
خدام سے تھا سے ہی بھی حضرت کے وصال کے بعد وہ میری خدمت کرتا رہا جب
کبھی حضرت مرحب کا دکھتا تو یہ شعر پڑھتا تھا

ترے ار لعل لبس تحت یم ترے ۔۔۔ رسے مہ پیکہ تو میر بدیدیم و برت

ساتھ ہی اس کے آنسو جل آتے اور اس میں ایک عجیب کیفیت پیدا ہو جاتی ۔

حضرت کے مرید جناب خیر جمال مرحوم الہ آباد جب وہاں سے
رخصت ہو کر اپنے وطن واپس آیا ان کی کیفیت ہی اتنی ہر وقت حسرت کے
عالم میں رہا کرتا اور بلند آواز سے یہ شعر پڑھا کرتا تھا

دراسا نے بلائے حال نظر ناشت دائم ۔۔۔ گر بر ناسے جو سے دل انتہا ر میں

خواجہ دین محمد صاحب تیراہی، حضرت باباجی صاحب کے فرزند سوم کا ایک مرید
خلیفہ سید جمیل شاہ پشاور رہتا تھا کہ کسی نہ کسی وجہ سے خواجہ صاحب کے عقائد کا مخالف
ہوگیا جب خواجہ صاحب کو اطلاع ہوئی فرمایا خود بخود پشیمان ہو کے آئیگا چنانچہ
کچھ عرصہ کے بعد وہ آیا اور اس حالت میں کہ صبح کا کھانا میسر تھا تو شام سے جواب تھا شام
کو کھانا تھا تو صبح کو محروم رہ جاتا تھا۔ عقائد باطلہ سے توبہ کی۔ خواجہ صاحب نے
فرمایا ہم تمہاری طرف سے کبھی مایوس نہیں ہوئے۔ اس موقعہ پر یہ شعر پڑھے

بلبل نیم کہ بر سر ہر گل نوا کنم ۔۔۔ مجنوں نیم کہ صحبت خود را گدا کنم
پروانہ نیستم کہ بیک شعلہ جاں دہم ۔۔۔ شمعم چو پاک سوزم و جاں را فدا کنم

یہ شعر جس لے جس درد اور جس تڑپ کے ساتھ پڑھے گئے خواجہ صاحب بھی
اس سے متاثر ہوئے اور دیر تک محو شنید رہے۔

خواجہ حسام الدین احمد جو خواجہ باقی باللہ دہلوی کے مریدان خاص میں سے بلکہ
ممتاز خلیفہ تھے بیان کرتے ہیں کہ میں پہلے پہل زخم دل کا مرہم لینے کے لئے اس روحانی
طبیب (اپنے مرشد خواجہ صاحب) کی خدمت میں گیا تو آپ نے انتہا درجہ کی خاکساری
اور اصرار سے فرمایا کہ میں اس قابل نہیں جس بزرگ کا نہیں پتہ دیا گیا ہے وہ کوئی
اور ہوں گے۔ میں ناکام اٹھ کر آگرہ جانے کے ارادہ سے شہر (دہلی) میں آیا۔ سخت
پریشان تھا کہ اب کیا کروں ناگاہ ایک نہایت دلکش اور دلربا آواز نے مجھے اپنی
طرف متوجہ کر لیا۔ میں چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا تو ایک عالیشان مکان کی
اونچی دیوار سے گانے کی آواز میرے کانوں میں پہنچی۔ غور سے سنا تو قوال شیخ سعدیؒ
کے یہ بیت گا رہے تھے[1]

تو خواہی آستین افشاں و خواہی دامن اندر کش
مگس ہرگز نخواہد رفت از دکانِ حلوائی

میں نہیں سمجھتا اس شعر نے میری کیا حالت کر دی۔ اور مجھ پر کیا نوبت گذری مختصر

[1] حیات باقیہ

یہ ہے کہ میرے حال کی چنگاری شعلہ بن کر مشتعل ہو گئی ۔ دریں اثنا خود پہلی
مرتبہ ناکام و نامراد واپس آنے کے صدمہ دل کے سبب سے حضرت خواجہ صاحب
کے پاس نے تابانہ دوڑا گیا اور فیض یاب ہوا۔

مخدوم زادہ خواجہ عبداللہ احمد جو حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ کے فرزند ارجمند
اور حضرت مجدد الف ثانی سے بیعت یافتہ تھے باوجود سلسلہ نقشبندیہ میں منسلک
ہونے کے کبھی کبھی سماع سرود سے بھی لذت حاصل کرتے تھے۔ اور کبھی بغیر رود
سماع کے خود بخود ہی سسکیوں اور بے تابیوں میں نکل جاتے تھے پر سوز اشعار پڑھتے
اور دل پر درد سے آہیں کھینچ رہتے تھے مولف حیات باقیہ نے آپ کا ایک
شعر لکھا ہے جس کو ایک وجہ قرار دے کر آپ شوریدہ حالی میں مشغول رہتے تھے ؎

گشتہ بگلستاں جہاں بسیار | تو مثل آوارہ کرد ما صبا را

حضرت خواجہ محمد الباقی الاویسی النقشبندی المشہور باقی باللہ کے یاران خاص
سے ایک بزرگ شیخ تاج الدین نام تھے حضرت خواجہ کی وفات کے بعد وہ کشمیر اور
ہندوستان کے دیگر ممالک کی سیر سے فارغ ہو کر زیارت حرمین شریفین کے لئے سفر
حجاز پر آمادہ ہوئے جب موسم حج قریب آیا اور قافلہ حرمین نے کوچ کا نقارہ لگا دیا
تو محفل کی تو رہے شیخ کی عجیب حالت ہو گئی ایک سرد آہ کھینچی۔ اور پر درد لہجے
میں فرمایا ؎

یک طرف ماتم حدی یک جانب آواز درا | در گراں جانی تو وا غم کہ ماندہ دل بجا

جب خدمات و علماء سے فارغ ہوئے تو قافلہ والوں کو کوچ کرنے کا حکم ملا۔

حضرت خواجہ باقی باللہ کا ایک مرید تھا جو کسی زن خوش رو کے ساتھ ناجائز تعلق
رکھتا تھا حضرت کو خبر دی منع کیا اور مولانا عبدالرحمٰن جامی کی یہ رباعی پڑھی ؎

رفت آں کہ بلعل بتاں بر دو آرم | حرف غم شاں بلوح دل بنگارم
آہنگ جمال جاودانی دارم | حسنے کہ نہ جاوداں ازاں بیزارم

خدا جانے اس رباعی میں کس قیامت کا اثر تھا کہ وہ مرید بیزارم بیزارم کے نعرے لگانے لگا
اور تادم زیست عارضی حسن کی دید سے بیزار رہا

حضرت خواجہ صاحب سے خلوت کے علاوہ کسی اور مقام پر گریہ کا ظہور بہت کم پایا گیا ہے۔ لیکن ایک دن آپ مسجد جماعت میں بے اختیار رو پڑے سبب پوچھا فرمایا۔ نماز کی حالت میں روح نے عروج کرنا چاہا۔ اور ارادہ کیا کہ اوج کمال کی انتہا تک پہنچ جائے مگر راستہ میں سے پھر آئی اور چکر کھا کر بدن میں داخل ہو گئی۔ پھر اسی شک آلودہ حالت میں یہ شعر فرمایا ؂

چہ تواں کرد کہ دیوار غم اُفتاد بلند ۔۔۔ ایں بنا ئیست کہ آں خانہ برانداز نہاد

یعنے کیا کیا جائے غم کی دیوار بہت اونچی ہو گئی ہے لیکن یہ وہ بنیاد ہے جو اس خانہ برانداز نے خود رکھی ہے۔

خواجہ محمد سلیمان صاحب تونسوی ایک دفعہ حضرت قبلہ عالم خواجہ نور محمد صاحب مہاروی کے پہلے یا دوسرے عُرس میں شامل ہوئے نواب غازی الدین خاں نظام الملک اور دیگر خلفا بھی جمع تھے۔ قوالوں نے شیخ جمال چشتی فیروزپوری (حضرت خواجہ کے مرید کی) یہ غزل پڑھنی شروع کی۔

مرحبا نرگس مست رعنائی ۔۔۔ دل زما مے بری بہ یغمائی

درجہاں نیست کس بتو مانند ۔۔۔ بے نظیرے بہ حسن و زیبائی

محو مطلق شود ہمہ عالم ۔۔۔ چوں نقاب از جمال بکشائی

بظاہر بہتیوں کو یہ شعر بالکل معمولی نظر آتے ہیں۔ لیکن ان کی کیفیت اور ان کی لذت صاحبدلوں سے پوچھنی چاہئے۔ خاتم سلیمانی میں لکھا ہے کہ ان اشعار سے خواجہ صاحب کو اس قدر وجد طاری ہوا کہ آپ نے جوش مستی میں صاحبزادہ غلام مصطفےٰ شہید کو جو اس وقت بالکل بچہ تھے۔ کندھے پر اٹھا کر چاروں طرف دوڑتے تھے کبھی روضہ کے اندر جاتے کبھی مسجد میں چھلانگیں مارتے۔ آخر بے ہوشی غالب ہو گئی۔ صاحبزادہ کو نیچے اُتارا۔ اور بے خود ہو کر زمین پر گر پڑے۔ نبض کو دیکھا گیا۔ اس کا کچھ پتہ نہ ملا۔ نواب صاحب اور دیگر خلفاء کو بہت پریشانی ہوئی۔ آخر تیسرے پہر ہوش آیا۔ اور اُٹھ کر نماز پڑھی۔

میاں احمد قوال جو بچپن سے اخیر عمر تک حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کی صحبت
میں رہا۔ ایک مرتبہ نواب شیر محمد خان سدوزئی سکنہ ڈیرہ اسمٰعیل خان کا ایک عریضہ
لے کر حضرت کے بنگلہ پر گیا میاں احمد قوال کا بیان ہے کہ میں جب دروازے
کے پاس گیا تو میں نے اندر سے ایسی خوش الحانی کی آواز سنی کہ آج تک نہیں نصیب
ہوئی تھی مجھے اس سے بڑا ذوق اور لطف اور سرور خاص حاصل ہوا۔ وہ
غزل جو گائی جا رہی تھی حسب ذیل ہے

ما بہ جان دادیم و جانان خود را یافتیم — گرد شمع حسن او پروانہ خود را یافتیم
ما عشقیم و در بحر بے پایان او — تا فرو رفتیم در یکدانہ خود را یافتیم
سالہا گشتیم در اطراف جہان چون گردباد — در رہ لیلیٰ او پیدا دیوانہ خود را یافتیم
ما شدیم مست از جمال یار چون یار یکیں — ساغر مست مے و میخانہ خود را یافتیم

میاں احمد قوال کا بیان ہے کہ میں اسی حالت میں بنگلہ کے اندر چلا گیا دیکھا تو خواجہ
صاحب سن رہے ہیں اور ایک عجیب حالت میں ہیں مجھے دیکھ کے فرمایا احمد! یہ
کونسا وقت تمہارے آنے کا ہے میں ڈر گیا اور واپس آنے کا ارادہ کیا۔
آپ نے فرمایا آیا ہے تو بیٹھ اور وہ کام جس غرض سے آیا ہے میاں احمد
قوال نے عرض کیا۔ نواب شیر محمد خان نے بھیجا ہے۔ فرمایا اس وقت اس کا
ذکر نہ کرو اور فرمایا کچھ سناؤ میں نے عرض کیا جب میں بنگلے کے پاس پہنچا
تو ایک نہایت دلپذیر اور سحر انگیز آواز آرہی تھی لیکن جب دروازہ کھولا تو سوائے
آپ کے کسی کو نہ پایا یہ کیا راز اور کیا اسرار ہے؟ فرمایا ایک جن پانچ چھ روز سے
میرے پاس آتا ہے اس کا اصرار تھا کہ میری چوکی بھی مقبول فرمائی جائے میرے
پیچھے بیٹھا ہوا ہے اگر دیکھنا چاہتے ہو تو دکھا دوں۔ میاں احمد نے کہا مجھے خوف
آتا ہے اور مجھ میں اس کے دیکھنے کی تاب نہیں ہے فرمایا اچھا جاؤ۔ جیسا میں
باہر آیا آپ نے دروازہ بند کر لیا اور فرمایا شاباش میاں کالو! اب شروع کرو!
اور جب تک آپ نے بس میاں کالو کا ارشاد نہ فرمایا۔ گانے کی آواز باہر آتی رہی

حضرت خواجہ اللہ بخش (حضرت خواجہ محمد سلیمانؒ تونسوی کے صاحبزادے)
کا ذکر ہے کہ دربار لگا ہوا تھا۔ ایک شخص عالم شاہ کو جس کی آواز بہت اچھی تھی۔ ارشاد
ہوا کہ کچھ گاؤ۔ اُس نے خواجہ حافظ شیرازی کی ایک غزل گائی جس کا مطلع یہ ہے ؎

بہ داغ دل زمانے نظرے بما ہر دے — بہ ز انکہ چتر شاہی ہمہ عمر ہائے و ہوئے

آپؒ نے کئی دفعہ اس شعر کا تکرار فرمایا جھومتے تھے اور فرماتے تھے سبحان اللہ
کیا عمدہ شعر ہے۔

حضرت خواجہ اللہ بخش ایک دن نماز ظہر کے بعد خود بخود اس شعر کا تکرار بار
بار فرماتے تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ان کی آنکھوں سے ابھی دریائے سرشک
جاری ہونے والا ہے شعر یہ ہے ؎

مکن تغافل ازیں بیشتر کہ مے ترسم — گماں برند کہ ایں بندہ بے خداوند است

ایک رات حضرت خواجہ اللہ بخشؒ کو لوگوں نے دیکھا کہ روتے تھے اور اس شعر
کو بار بار پڑھتے تھے ؎

قرب روحی دارم و بُعدِ بدنی — ہمچو در حُب نبی حال اویس قرنی

شیخ ابوسعید ابوالخیر نیشاپوریؒ[1] کے پاس محمد ابونصر حبیبی سکنہ مرو (ماوراءالنہر)
نے اس سوال کا جواب حاصل کرنے کے لئے ایک قاصد بھیجا کہ آثار محو ہو جاتے ہیں
یا نہیں شیخ نے جواب میں یہ دو شعر لکھوا بھیجے ؎

جسم ہمہ اشک گشت و چشم بگریست — در عشق تو بے جسم ہمے باید زیست
از من اثرے نماند وایں عشق زچیست — چوں من ہمہ معشوق شدم عاشق کیست

جب ابونصرؒ نے یہ اشعار پڑھے تو ایک نعرہ مار کر بے ہوش ہو گئے۔ چھ دن حالت
استغراق میں رہے اور ساتویں دن انتقال کر گئے۔

ہرات کی جامع مسجد میں ایک درویش محمد چرگر رہا کرتے تھے عام لوگ ان کے
باطن سے لاعلم تھے۔ ایک رات پانی کا لوٹا ان سے گر پڑا۔ خادم مسجد نے سمجھا کہ پیشاب

[1] تمام مشائخ ان کے گرویدہ تھے۔ ان کا انتقال ۴ شعبان ۴۴۰ھ کو ہوا ہے۔ نفحات الانس

کر دیا ہے اس پر استاد دو کوٹ کیا کہ ان کے اعضا زخمی ہو گئے وہ ایک گرم آہ
کھینچ کر جملہ درویشوں کے بازار میں چلے گئے۔ تمام مسجد لکڑی کی بنی ہوئی تھی اس
کو آگ لگ گئی سلطان محمد والدین جالگ کہ لوگی و تقدس میں یکتا تھے جب ہوئی
اس درویش کے پیچھے دوڑے گئے آخر بازار میں جا پکڑا اور کہا مسلمانوں کے شہر کو
کیوں جلاتے ہو۔ ان کو واپس لائے۔ درویش نے اپنی آنکھ کے آنسو آگ پر گرائے
اور نہایت سوز و گداز سے یہ رباعی پڑھی ؎

آں آتش دوستی کہ مارا بر جگر بود — و سوختنی اندر دل ما آموختہ بود
گر آب دو چشم من ندادی یاری — ہر جملہ دوستاں کہ یکسر سوختہ بود

خدا کی قدرت سے آگ سرد ہو گئی۔

شیخ الاسلام احمد الساقی الجامی جو اپنی ہی میں عاشقان خدا میں ہو گئے تھے[1]
ایک دفعہ بہار سے پیچھے آتے تھے اور شراب کے مشکوں کو توڑنا شروع کیا۔ کوتوال
کو خبر ہوئی اس نے مکان سے باہر نکال کر گھوڑوں کے طویلے میں بند کر دیا آپ
کھرلی پر بیٹھ گئے کھرلی پر اور اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارتے تھے۔ اور درد دل سے
بیتاب ہو کر پڑھتے تھے ؎

اشتر بہ خراس سے مگر دو بند کرد — او بیر رہ مرا و سب گردی بر گرد

فرماتے ہیں یہ شعر سن کر اور میری مستی دیکھ کر گھوڑوں نے چارہ چھوڑ دیا
اور اپنے سروں کو دیوار سے مارنے لگے اور ان کی آنکھوں سے قطرات اشک ٹپکنے
لگے سائیس یہ حال دیکھ کر گھبرایا اور خوف زدہ ہو کر کوتوال کے پاس دوڑا گیا وہ
آیا اور مجھ سے معافی مانگی اور میں آزاد ہو کر پھر بیابان پر چلا گیا۔
حضرت خواجہ سید محمد بندہ نواز گیسو دراز دہلوی کے متعلق لمعات الاسرار میں

---

[1] آپ بڑے صاحب کرامت بزرگ تھے تاریخ ولادت ۴۴۱ھ اور سال وفات ۵۳۶ھ ہے لمعات الاس
[2] آپ ۴ رجب ۷۲۱ھ کو دہلی میں پیدا ہوئے حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے مرید تھے۔ ایک سو پانچ
سال کی عمر میں ۸۲۵ھ کو گلبرگہ دکن میں وفات پائی مزار پاک وہیں مرجع خلائق ہے

لکھا ہے کہ آپ نے ایک دن یہ رباعی پڑھی اور ساتھ ہی آنسو نکل آئے ؎

آن بہ کہ نظر باشد و گفتار نباشد | تا مدعی اندر پس دیوار نباشد
میخواہم معشوق زمانے و زمینے | من باشم و او باشد و اغیار نباشد

حضرت گیسو دراز رح سماع کے متعلق فرماتے ہیں مجلس سماع میں یہ کچھ ضروری نہیں ہے کہ ایک ہی شعر پر سارے کے سارے جوش و خروش میں آجائیں۔ یا جو جس شعر سے حظ اٹھا رہا ہے سب کے سب اسی سے محظوظ ہوں۔ بلکہ جو جس کے دل میں گھر کر جائے وہی اسی کے لئے وجد اور بیخودی کا سبب ہو جاتا ہے چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ہمارے والد سمیت سات صوفیوں کے مجمع میں ایک قوال نے شیخ سعدیؒ کی ایک غزل کے مندرجہ ذیل سات شعر پڑھے۔ اور ہر ایک شعر پر ہر اک کو علیحدہ علیحدہ وجد ہؤا۔ اور ہر اک نے الگ الگ جوش و خروش ظاہر کیا۔ اشعار حسب ذیل ہیں ؎

جاں ندارد ہر کہ جانانیش نیست | تنگ عیش است آنکہ بستانیش نیست
ہر کرا صورت نہ بندد سر عشق | صورتے دارد ولے جانیش نیست
گر دلے داری بجانانش سپار | ضائع آن کشور کہ سلطانیش نیست
کامراں آں دل کہ محبوبیش ہست | نیک بخت آن سر کہ سامانیش نیست
عارفاں درویش صاحب درد را | بادشاہ خوانند اگر نانیش نیست
ہر کرا با ماہروئے سر خوش است | دولتے دارد کہ پایانیش نیست
خانہ زندان است و تنہائی ملال | ہر کہ چون سعدی گلستانیش نیست

شیخ اوحد الدین کرمانی کا قاعدہ تھا کہ جب وہ سماع کی حالت میں بہت گرم ہوتے تو لوگوں اور خصوصاً نوجوان لڑکوں کے پیراہن پھاڑ ڈالتے اور ان کے سینوں پر اپنا سینہ رکھتے۔ جب بغداد میں پہنچے تو خلیفہ وقت کا لڑکا بڑا حسین تھا۔ اس نے یہ بات سنکر آپ پر بدعتی اور کافر ہونے کا فتویٰ لگا دیا۔ اور کہا اگر میری مجلس میں ایسی حرکت کرے تو فوراً قتل کرا دوں۔ آخر شہزادے کی مجلس بھی گرم ہوئی۔ شیخ وہاں گئے۔ جب سماع

گرم ہوا تو شیخ نے جوش وجد و حال کے عالم میں یہ رباعی پڑھی ؎

سهل است مرا بر سر خنجر بودن — در پائے مراد دوست بے سر بودن
تو آمدۂ کہ کافرے را بکشی — غازی چو توئی رواست کافر بودن

اس رباعی کے سننے سے ملحد کے بیٹے کی حالت دگرگوں ہوگئی بے تاب ہو کر ان کے قدموں پر گر پڑا۔ اور ارادت مندوں میں داخل ہوگیا۔

مولانا محمد شیریں مشہور بہ مغربی شیخ اسمٰعیل سیسی کے مرید اور شیخ کمال خجندی کے معاصر تھے ایک مرتبہ شیخ خجندی نے ایک قصیدہ کہا اور جب اس کا شعر ؎

چشم اگر این است و ابرو این و ناز و عشوہ این
الوداع اے زہد و تقویٰ الفراق اے عقل و دین

مولانا کو اس شعر سے خاص لذت حاصل ہوئی مگر فرمایا ایسے بڑے بزرگ کی زبان سے ایسا شعر نکلنا چاہیے جس کے معنی مجازی کا احتمال رکھتے ہوں۔

ایک دن مولانا کے مرشد شیخ اسمٰعیل سیسی نے مجلس گرم کی مولانا کو بھی طلب کیا انہوں نے ایک غزل پڑھی جس میں سے چند شعر حسب ذیل ہیں ؎

دیدیم کہ اینہمہ حالت و خیالست — مردانہ ازیں خواب و خیالات گذشتیم
با ما سخن از کشف و کرامات چہ گوئی — چوں از سر کشف و کرامات گذشتیم
اے شیخ اگر جملہ کمالات تو اینست — خوش باش کزیں جملہ کمالات گذشتیم
اینہا بحقیقت ہمہ آفات طریق اند — ما در طلب از جملۂ آفات گذشتیم
ما را چو ببرد کرد مشرق انوار — از مغربی و کوکب و مشکوٰة گذشتیم

شیخ نے اپنے باکمال مرید کی اس غزل پر بڑی خوشنودی ظاہر کی کئی شعر بار بار پڑھوائے مجلس میں وہ رنگ آگیا کہ نقشہ لو معلوم ہوتی تھی۔ ہائے و ہو کے نعرے بلند ہوتے تھے۔ اور حاضرین پر ایک وجد سا طاری تھا۔

مولانا نے بعمر ۶۰ سال ۸۰۹ھ میں وفات پائی

مولانا بارہ دم تو سماع و مزامیر کے عاشق تھے شعر اشعار تو ایک طرف وہ اگر

ڈھولک کی صدا بھی سن پاتے تھے تو مستی کے عالم میں آجاتے تھے۔ اُن کا دیوان اگر تمام وکمال نہیں تو اس کا بہت بڑا حصہ حالت سماع ہی میں لکھا گیا ہے۔ وجد تو ان کے نزدیک معمولی بات تھی۔ جب وہ دل میں چُبھ جانے والا کوئی شعر سنتے یا خود ہی پڑھتے۔ تو اچھلنے کودتے اور رقص کرتے اور چرخ کھایا کرتے تھے۔ اور اسی حالت میں غزلوں کی غزلیں مرتب ہو جاتیں۔ خلفا اور عقیدتمند بیٹھے رہتے تھے اور جب کچھ ارشاد ہوتا تھا تو لکھ لیتے تھے۔ آپ سے کسی نے پوچھا وجد کیا چیز ہے۔ فرمایا وجد روح کی بیقراری ہے جو غلبۂ شوق کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور جن لوگوں نے آپ کے سوانحات عمر کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ اس بات کی شہادت دے سکتے ہیں کہ آپ کی روح غلبہ شوق کی وجہ سے ہر وقت بے قرار رہا کرتی تھی۔

حاجی بیگتاش خراسانی باوجود عارف اور روشنضمیر ہونے کے مولانا کی متابعت نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان کے حال وقال کے خلاف تھے۔ انہوں نے اپنے نقیب بابا اسحاق اور چند مریدوں کو مولانا کی خدمت میں یہ پیغام دے کر بھیجا تم کیا کر رہے ہو کیا طلب کرتے ہو۔ اور یہ غوغا تم نے ایک عالم میں کیوں ڈال رکھا ہے۔ اگر تمہارا مطلب حاصل ہو گیا ہے تو خاموش رہو۔ اور اگر مدعا حاصل نہیں ہوا تو یہ کیا ہنگامہ ہے۔ تم نے بہت لوگوں کے کاروبار بند کر دیئے ہیں۔ جس وقت بابا اسحاق حاجی خراسانی کا پیام لے کر آئے مولانا سماع میں تھے۔ ابھی انہوں نے کوئی واقعہ بیان نہیں کیا تھا کہ سماع شروع ہوا اور مولانا نے عالم بیخودی میں یہ رباعی پڑھی ؎

اگر تو یار نداری چرا طلب نکنی وگر بیار رسیدی چرا طرب نکنی
بکاہلی بنشینی کہ ایں عجب کاریست عجب توئی کہ ہوائے عجب نکنی

بابا اسحاق اور حاجی بیگتاش کے مرید یہ رباعی سنکر نعرے مارتے تھے اور بے خود و بے ہوش ہو جاتے تھے۔ آخر بغیر ادائے مطلب واپس چلے گئے۔ اور حاجی خراسانی معہ اپنے مریدوں کے مولانا کے معتقدوں میں داخل ہو گئے۔

ایک دفعہ مجلس گرم تھی سماع زور شور سے ہو رہا تھا۔ اور مولانا حالت رقص و

وجد میں غزل کہے جاتے تھے جس کے چند شعر لکھے جاتے ہیں ؎

اگر حریف منی پس بگو کہ دوش چہ بود | نشان دل و آں یار سیم پوش چہ بود
وگر تو چشم ندیدی جمال ما ہمہ دوش | مرا بگو کہ در آں حلقہای گوش چہ بود
اگر نہ بیخودے و ما گہ ز بادۂ دوشی | مگر اسرار آں ناطق خموش چہ بود

معین الدین پروانہ بعد امراء کے مجلس میں حاضر تھا وہ ایک ایک شعر پر لوٹتا تھا۔ اور حظ وجدانی حاصل کرتا تھا۔ صاحب مناقب میں لکھا ہے کہ وہ ایسا بیخود ہوا کہ مجال کلام نہ رہی اور وہاں سے رخصت ہو کر چلا گیا۔ ملکہ گرجی خاتون مولانا کا حد سے زیادہ ادب و احترام کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ ان کو قیصریہ جانا پڑا عین الدولہ مشہور نقاش کو مولانا کی تصویر اتارنے کا حکم دیا تاکہ سفر میں اس سے تسکین خاطر ہو۔ وہ حاضر ہوا۔ مولانا نے فرمایا تصویر کھینچ سکتے ہو تو کھینچ لو۔ مولانا کھڑے ہو گئے اس نے تصویر سازی شروع کی لیکن جب صورت ملائی تو زمین آسمان کا فرق نکلا۔ پھر تصویر ثانی کھینچی وہی حال ہوا بیس مرتبہ کوشش کی لیکن ہر مرتبہ دوسری ہی شکل نظر آتی تھی آخر حیرت سے اس کے منہ سے چیخ نکل گئی قلم پھینک دیا۔ اور مولانا کے قدموں پر گر پڑا۔ مولانا نے گویوں یہیں سماع کا حکم ہوا۔ اور خود یہ غزل پڑھنی شروع کی ؎

آہ چہ بے رنگ و بے نشان کہ منم | کے ببینی مرا چنان کہ منم
گفتی اسرار در میان آورد | کو میان اندریں میان کہ منم
گفتی شود ایں روان من ساکن | ایں چنیں ساکن روان کہ منم
بحر من غرقہ گشت ہم در خویش | بوالعجب بحر بیکراں کہ منم

عین الدولہ جو پہلے متحیر کھڑا رو رہا تھا اور ایک ایک مصرع پر نعرے مارتا تھا۔

ایک دفعہ معین الدین پروانہ کے ہاں سماع کا جلسہ تھا مولانا اور شیخ صدر الدین کے علاوہ اور سب لوگ موجود تھے حالت سماع میں شیخ صدر الدین نے بے خود ہو کر یہ رباعی پڑھی ؎

بے تو جز از آہیت منزل کہ کند　　مافوق ہیچ را معتل کہ کند
ہر نکتہ کہ در شیوۂ تحقیق اُفتد　　اے کاشف اسرار بگو حل کہ کند

شیخ صدر الدین چیکر کھا کر یہ رباعی پڑھتے تھے۔ اپنا منہ مولاناؒ کے قدموں پر ملتے تھے۔ اور روتے تھے۔ ایک دن مدرسہ میں سماع تھا اور یہ غزل پڑھی جا رہی تھی ؎

چناں گشتم ز مستی و خرابی　　کہ خاکی را نمیدانم ز آبی
دریں خانہ نمے دانم کسے را　　تو ہشیاری بیا۔ باشد بیابی
ہمیں دانم کہ مجلس از تو برپاست　　نمے دانم شراب ی یا کبابی

مولانا کو اس قدر وجد ہوا کہ سب کپڑے قوالوں کو دیدیئے۔ اور رقص کرنا شروع کر دیا۔ ناگاہ آزار کی گرہ کھل گئی۔ حسام الدین چلپی نے دوڑ کر گود میں لے لیا۔ اور ردیا پہنا دی۔ مناقب العارفین میں لکھا ہے کہ مولینا کو تین دن تک استغراق رہا۔

جب مولانا کو شمس الدین تبریزی کے شہید ہونے کی خبر پہنچی۔ نہایت رنج کیا خدام بھی موجود تھے انہوں نے بھی بہت قلق ظاہر کیا۔ مولانا نے حکم دیا قوال ا دم وہ آئے اور یہ غزل شروع ہوئی ؎

قد غم گر چشم سر بگریستی　　روز و شبہا تا سحر بگریستی
شمس تبریزی برفت و کو کسے　　تا بروں فخر البشر بگریستی

مولانا اور آپ کے خدام بہت روئے۔ یہاں تک کہ دامن اشکوں سے تر ہو گئے

ایک روز مولانا شدت جوش میں زرکوں (ورق سازوں) کی دکان کے پاس سے گزرے ہتھوڑوں کی آواز نے آپ کے دل میں اک آگ سی لگا دی اور آپ وہاں رقص کرنے لگے۔ اندر سے شیخ صلاح الدین زرکوب جو مولانا کے باخلاص اور کامل ترین مریدوں میں سے تھے۔ باہر نکلے۔ اور آپ کی حالت دیکھ کر قدموں پر گر پڑے۔ اور اپنے آدمیوں سے کہا خبردار ہتھوڑوں کا ہاتھ نہ رکے خواہ تمام سونا ریزہ ریزہ ہو جائے۔ اتفاق سے قوال بھی آ گئے۔ انہوں نے ساز چھیڑا اور مولینا نے اپنا سوز اس غزل کے ذریعہ ظاہر کیا ؎

یکے گنجے پدید آمد دراں دکان زرکوبی — یہ شعر پڑھتے ہوئے جوتی پہن لی

بہرحال وہاں کی مجلس گرم تھی بازار بہک گیا اور بند ہو گیا تھا اور اندر یہ کیفیت تھی کہ ادھر تو اس ورق چوٹیں پڑنے کے سوا دراصل حساب نہیں ہوا تھا بلکہ ہر طرف سنہری ورقوں کا ڈھیر لگ گیا تھا شیخ صلاح الدین نے یہ حالت دیکھ کر کپڑے پھاڑ ڈالے ساری دکان روز روشن میں لٹا دی اور اس دن سے پھر دکان پر نہ بیٹھے اور اپنے آخری دم یعنی اس واقعہ سے دس سال بعد تک مولانا کے حضور میں رہے

مولانا کے انتقال کے بعد مولانا شرف الدین کے استاد قاضی سراج الدین ایک دن مولانا کی قبر پر گئے اور مندرجہ ذیل شعر پڑھے ؎

کاش آں روز کہ در پائے تو شد حاصل — دست گیتی بزدے تیغ ہلاکم بر سر

تا دریں روز جہاں بے تو ندیدے چشمم — ایں ہمہ بر سر خاک تو کہ خاکم بر سر

مولانا شرف الدین کا بیان ہے کہ ان شعروں کا زبان سے نکلنا تھا کہ آنسوؤں نے تار باندھ دیا بار بار پڑھتے تھے اور چیخ کھا کھا کر روتے تھے

مولانا جب علیل ہوئے اور خدام کو مرض کی طوالت سے خوف دامنگیر ہوا تو کہا آپ تمام جہاں کی جان ہیں اللہ تعالیٰ جلد آپ کو شفا عطا کرے مولانا نے فرمایا اب شفا تمہیں مبارک رہے معشوق اور عاشق کے درمیان صرف بال برابر کا پردہ رہ گیا ہے پھر ایک غزل شروع کی جس کا مطلع یہ ہے ؎

چہ دانی تو کہ در باطن چہ شاہے ہمنشیں دارم — رخ زریں من منگر کہ پائے آہنیں دارم

شیخ صدر الدین قونوی معہ علما اور درویشوں کی ایک جماعت کے حاضر تھے مناقب العارفین میں لکھا ہے کہ شیخ اس غزل پر اپنے ساتھیوں سمیت روتے تھے کپڑے پھاڑتے تھے اور فریاد وزاری کرتے تھے

انتقال کے دن مولانا کی عجب حالت تھی پانی کے ایک طشت میں پاؤں ڈال رکھے تھے پھر اس طشت سے پانی لے کر اپنے سینہ اور چہرہ پر ملتے تھے۔ اور یہ

اشعار پڑھتے تھے ؎

دوست یک جام پُراز زہر برآورد بہ پیش | زہر چوں از کفِ او بود بشادی خوردیم
بہ درون برفلکیم ار بہ بدن زیرِ زمیں | بصفت زندہ شدیم ارچہ بظاہر مردیم
ایں دو خانست دو منزل بہ یقین ملک و دولت | خدمتِ او کن و خوش باش کہ خدمت کردیم

صاحب مناقب العارفین لکھتے ہیں کہ ان اشعار پر آپ کے سب اصحاب چیخیں مار مار کر روتے تھے۔

مولانا کے چالیسویں[1] تک بادشاہ اور وزیر سب نے سوگ منایا۔ امرا فقرا روزمرہ عرس کرتے اور حالت وجد و سماع میں اپنے غم و الم کا اظہار کرتے تھے۔ صاحب مناقب العارفین لکھتے ہیں اسی زمانہ میں ایک درویش کہ نہ کسی مجلس میں جاتا تھا اور نہ کہیں ٹھیرتا تھا یہ رباعی رو رو کر پڑھا کرتا تھا۔ اور اوروں کو رلایا کرتا تھا ؎

اے خاک زدہ درد دل نے آرم گفت | کامروز اجل در توچہ گوہر بہ نہفت
دام دل عالمے فتادت در دام | دلبند خلائقے در آغوش تو خفت

سلطان العارفین حضرت امیر عارف[2] ایک دفعہ مسعود بیگ کے جلسۂ سماع میں گئے۔ جس میں بڑے بڑے علما اور مشائخ بھی موجود تھے۔ ان میں ایک ترک شیخ بھی تھا جس پر ترکوں کو بہت اعتقاد تھا وہ آیا اور بغیر کسی سے سلام علیک کے سیدھا صدر میں جاکر بیٹھ گیا۔ سماع شروع ہوا۔ حضرت امیر عارف کو جنبش ہوئی جنبش سے وجد اور وجد سے وہ حالت ہوگئی کہ ترک شیخ کا گریبان کھینچتے تھے۔ اور یہ رباعی پڑھتے تھے ؎

عشاق قدم چو در رہ نیست نہند | از ہستیٔ غیر دوست کلی برہند

---

[1] مولانا جلال الدین رومی رح کا انتقال ۵ جمادی الثانی ۶۷۲ھ کو ہفتہ کے دن غروب آفتاب کے وقت ہوا۔

[2] حضرت امیر عارف حضرت مولانا جلال الدین رومی رح کے پوتے اور حضرت سلطان ولد کے صاحبزادے تھے ۵ ذلقعدہ ۶۷۰ھ کو پیدا ہوئے ۴۹ سال کی عمر میں ۷۱۹ھ میں وفات پائی حضرت سلطان ولد آپ کے والد نے آپ کی نسبت فرمایا ہے کہ امیر عارف دریائے ولایت ہے اور والد ماجد یعنی مولانا روم رح کے نور سے مالا مال ہے

ریں رندی کے[1] وائی کردند و عاشقانہ بجہد
علما اور مشائخ پر بھی رقت کا عالم طاری تھا مرگ شیخ کا گریباں چھوڑا اور وہ بیہوش ہو
کر کر پڑا اور سے کف جاری ہوگیا دو روز اسی حالت میں رہا اور میرے وں وائی کردند
دعا شقانہ بجہد کا مصداق ہوگیا۔
مولانا علاء الدین مالوی ایک جامع فنون الفضائل بزرگ گذرے ہیں۔ انہوں
نے ایک دن سماع کی مجلس گرم کی حضرت امیر عارف بھی یک بیک اپنی خلوت گاہ
سے آنکلے اور یہ رباعی پڑھی

آنہا کہ بر آسماں دولت ماشد — رنجیدہ تسطرنج ملامت ساشد
وانہا کہ رہبر این سحن آگاشد — گمراہ خلائق اند و ره را شد

اس رباعی نے سماع کی کیفیت ہی کچھ اور کردی حضرت عارف نے ایسا نعرہ مارا کہ
سب لے خود ہو گئے مناقب العارفین میں لکھا ہے کہ ان کے حرے کی آواز تھر
کی کرح کی طرح معلوم ہوتی تھی تھوڑی دیر کے بعد جب یہ رباعی پڑھی گئی ؎

آنانکہ دریں راہ —— —— اندر نظر اہل صفا ابلیس اند
در دست عاشقاں اگر راست آئی — دستجہ تو آیت سر مولہ مد

مکاں کے پیچھے دریا بہتا تھا۔ ان اشعار سے دل پر وہ چوٹ لگی کہ عالم اضطراب میں
دریچہ سے دریا میں کود پڑے مولانا علاء الدین اور شیخ حسام الدین کی نے بھی ساتھ
دیا خدا کی قدرت سے کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچا بلکہ حضرت امیر نے فرمایا ہم لوگ
کیوں آئے مولانا کو یہ لوگ دریا سے باہر لائے مولانا نے باہر آکر حکم دیا کہ
سماع پھر شروع ہو اور اس غزل کی قوالوں کو فرمائش کی ؎

بسوز ایم سود او جنوں را — درآسانم ہوم موج جنوں را
سراب صاف سلطاں را بر رم — بجو امایم عقل د و فنوں را

بہت نعرے مارے بہت تڑپے آخر بر دستی سماع بند کرا دیا گیا اور جب جا کر آپ

[1] اصل کتاب میں مصرع نا تمام ہی ہے۔ اصل کتاب میں اسی طرح لکھا ہے۔

کو سکون حاصل ہوا

حضرت امیر عارف نے یاران دلنواز کو اپنے وصال کی پہلے ہی خبر دیدی تھی۔ ایک دن فرمایا۔ حضرت مولانا روم رح خواب میں تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں۔ اب تمہارے قیام کی مدت پوری ہو گئی ہے معلوم ہوتا ہے اب ہمارے کوچ کے دن نزدیک ہیں اسی دن طبیعت کی بے قراری سے اپنے بعض اصحاب کے ساتھ باہر ٹہلنے کے لئے نکل گئے۔ سیر کرتے تھے اور ایک غزل جس کے دو شعر لکھے جاتے ہیں پڑھتے جاتے تھے ؎

ہر نفس آواز عشق میرسد از چپ و راست　　　ما بفلک میرویم عزم تماشا کراست

ما بفلک بودہ ایم یار ملک بودہ ایم　　　باز ہماں جا رویم جملہ کہ آن شہر ماست

حضرت خود بھی روتے تھے نعرے مارتے تھے اور ان کے اصحاب بھی گریہ و زاری میں مشغول تھے۔ طبیعت کو جب زیادہ بے چینی ہوئی تو حضرت مولانا روم کی تربت پر گئے۔ سماع شروع کرایا اور جب یہ رباعی پڑھی گئی ؎

در کوئے دل آرام بسر باید رفت　　　وز ہستیٔ خویشتن بدر باید رفت

گستاخ نہ باید بر آں در رفتن　　　با چہرہ زرد و چشم تر باید رفت

صاحب مناقب العارفین لکھتے ہیں کہ اس رباعی پر اس قدر شور و فریاد کی کہ احاطۂ تحریر سے باہر ہے اصحاب بھی فریاد و فغاں ظاہر کرتے اور نعروں سے قیامت برپا کر رہے تھے۔ اس واقعہ سے پچیس دن کے بعد آپ واصل بحق ہو گئے۔

۲۴ ذی الحجہ ۱۰۱۸ھ مطابق ۱۰ مارچ ۱۶۱۰ع کو دہلی کے سرکاری قوالوں کی ایک جماعت مجلس شاہ شہنشاہ جہانگیر کے دربار) میں سرود گا تی تھی۔ حضرت امیر خسرو کے اس شعر پر ؎

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے　　　من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلاہے

سیدی خاں (ایک درباری امیر) وجد کر رہا تھا۔ بادشاہ نے ملا علی احمد مہر کن سے پوچھا اس شعر کی اصلیت کیا ہے۔ اس نے عرض کیا۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیا گوشۂ سر پر کلاہ کج رکھے ساحل دریائے جمنا کے کنارے ایک کوٹھے پر بیٹھے ہوئے ہندوؤں

کے طریق عبادت و پرستش کو ملاحظہ فرما رہے تھے حضرت امیر خسرو بھی حاضر تھے حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء نے یہ مصرع پڑھ

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے

پڑھکر فرمایا دیکھتے ہو یہ لوگ کیا کر رہے ہیں امیر خسرو نے بلا تامل عرض کیا ع

من قبلہ راست کردم برسمت کج کلاہے

یہ مصرع سنتے ہی ملا علی احمد کے بدن میں آگ لگ گئی رقت ہو آیا اور سمت کج کلاہ سمت کج کلاہ کہتا ہوا واصل بحق ہوگیا بادشاہ کی طبیعت پر اس واقعہ عجیب سے بہت برا اثر پڑا[1]

حضرت شیخ شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی کے محبوب مرغوب شہزادہ مبارک خاں ابن سلطان غیاث الدین تغلق بادشاہ دہلی کو ایک فوجی سپاہی نے جنگل میں اکیلا دیکھ کر قید بغرض ... کر لیا۔ شیخ کو خبر ہوئی دل کی رہنمائی سے سپاہی کے مکان کے پاس جا پہنچے اور ایک غزل کمال بیقراری کے ساتھ پڑھنے لگے جس کے چار شعر ذیل میں درج ہیں ؎

عمر اربہ سیم صنم روئے تو دیدن ندہم ۔۔۔ گوش را جز خدمت تو شنیدن ندہم

گر بیاید ملک الموت کہ جانم ببرد ۔۔۔ تا نہ بینم رخ تو روح رمیدن ندہم

گر بسازے سر موئے دو عالم بدہند ۔۔۔ یعلم اللہ کہ سر موئے تو دیدن ندہم

گر بدام دل من آید آں عنقا بانہ ۔۔۔ گرچہ صد حملہ کند بال پریدن ندہم

سپاہی سخت کج فہم تھا اور عزم بالجزم کر چکا تھا کہ شاہزادہ کو حضرت شیخ کے حوالے نہیں کرونگا لیکن حضرت شیخ کے ان اشعار نے اور دعائے استغفار نے اس کے دل میں تڑپ پیدا کر دی۔ اور بے خود ہو کر اس نے شاہزادہ کو آزاد کر دیا۔

حضرت قلندر جب قیام گاہ پر تشریف لائے تو اتفاق سے ایک قوال موجود تھا اس نے آپ کو اس طرح فرحاں و شاداں دیکھکر یہ اشعار گانے ؎

[1] بادردکاں نوریم

اگر بینم شبے ناگہ من آں سلطان خوباں را　　سرے در پائے شے آرم فدا سازم دل و جاں را
بہ بسم از رہ یادی کہ جاناں چوں نہ آخر　　کجائی گرنتے بینم دو چشم مست غلطاں را

کچھ آواز کی شیرینی - کچھ اشعار حسب حال - اور سب سے بڑھکر دل میں درد - اس اتحاد ثلاثہ سے وہ ذوق و شوق ہوا کہ بیقرار ہوکر وجد کرنے لگے - تھوڑی دیر کے بعد جب افاقہ ہوا تو قوال کو اس خوشی میں اپنی خاص سواری کا گھوڑا بطور انعام عطا فرمادیا -

حضرت شہنشاہ مشکل کشا خواجہ خواجگان سید نقشبند بخاری رح فرماتے ہیں ابتدائے حال میں قریباً چھ ماہ تک عالم باطن سے مجھے فیض نہ پہنچا - خدا کی جناب سے ناامید تو نہ ہوا - لیکن عنایات الٰہی کے دروازے بند دیکھکر دل کچھ پژمردہ سا ہوگیا - اسی حال میں ایک مسجد کی طرف گذرا ہوا جس کے دروازہ پر یہ شعر لکھا ہوا تھا ؎

اے دوست بیا کہ ما ترائیم　　بیگانہ مشو کہ آشنائیم

یہ شعر پڑھتے ہی میرے دل کی عجیب کیفیت ہوئی - ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شعر پڑھنے والا میرے سامنے کھڑا ہے - گنج معانی و معرفت کے تمام دروازے خود بخود کھل گئے ایک نامعلوم سرور تھا - جو کیف و وجد میں لا رہا تھا - دل کی تمام تنگی کشادگی سے بدل گئی اور ساری پژمردگی جاتی رہی -

حضرت خواجہ علاؤالدین قدس سرہ[۱] ایک مرتبہ بخارا میں قیام پذیر تھے - رؤیت حق سبحانہ کے معاملہ میں بحث تھی - چند علما خلاف تھے - اور جب موافق آخر فریقین نے آپ کو حکم مقرر کیا - آپ نے منکران رؤیت سے فرمایا تم تین دن متواتر میرے پاس آتے رہو - میں آخری دن اپنا فیصلہ تم کو سنادونگا وہ جماعت دو دن برابر آتی رہی اور ان کے حکم کے مطابق باطہارت ساکت بیٹھتی رہی - تیسرے دن جب منکرین کی جماعت آئی - تو خواجہ عطار جلال میں آئے - نگاہ تیز ہوگئی - آنکھوں سے خون برسنے لگا - اور اس شعر کو بہ زور اور با آواز بلند پڑھنا شروع کیا ؎

[۱] مرید اور داماد حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند مشکل کشا - آپ کی وفات ۸۰۳ھ ۱۲ رجب کو ہوئی مزار نوچغانیاں میں واقع ہے -

کوئی آنکہ گوید ست سدہ سحی کجا رسد — برکیف ہر بیت پر سن کر سماع کے ہم چشمیں
رشحات میں لکھا ہے کہ مسکین کی محو حالت ہو گئی یعنی صوفی بیٹھے ہوئے تھے
انگلیوں کو ہاتھ اٹھا کر رویت حق کے نعرے لگاتے تھے۔

خواجہ محمد پارسا حضرت خواجہ علاء الدین عطار کو نہایت ہی پیر کہتے اور التفات
فرمایا کرتے تھے خواجہ محمد پارسا فرماتے ہیں کہ جب آپ کے انتقال کا وقت قریب
پہنچا [illegible] اور دعائے خیر خلق کے علاوہ نہایت ذوق شوق اور وجد و
بار بار یہ شعر زبان مبارک پر پڑھتے تھے ؎

ما ہستیم عشق آتش ست — منتظر یوں آتش اندر ے رسد

ستمبر ۱۸۹۹ء کے ابتدائی ہفتہ میں حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاؒ
کا عرس تھا حضرت مستان شاہ کابلیؒ بھی وہاں تشریف لے گئے قوالوں نے دیوان
آتش کدہ وحدت سے آپ کی یہ غزل پڑھی ؎

ہم کرشمہ ناز دہ نرگس ہم مست را — مست شوق عمر دگیں دگیش الست را
در شکنان طرہ ات بستہ دل شکستگاں — [illegible] شود چو زلف تو [illegible] شکست را
رخ ز روئے برکشا پردہ زلف ماگیر — دین حق ما نما عاشق حق پرست را
قامت تو قیامت است ہر کہ تو محشر است — محشر تازہ کن بپا چشم سیاہ مست را

اللہ اکبر اس وقت کے عالم کا بیان مشکل تحریر میں آسکتا ہے تمام محفل میں ایک
محشر کا نمونہ قائم تھا اور ہر ایک شعر پر حالت ذوق و شوق میں چاروں طرف
سے ہو حق کے نعرے بلند ہو رہے تھے عالم [illegible] مستی میں کسی کو اپنے حال کی
خبر نہ تھی۔ اور حضرت مستان شاہ تو وجد و کیفیت کا ایک صحیح اور اصلی نمونہ دکھا
رہے تھے (ملاحظہ ہو اخبار [illegible] لاہور مورخہ ۹ ستمبر ۱۸۹۹ء)

۱؎ حضرت مستان شاہ کا مزار [illegible] میں واقع ہے

محرم علی صاحب چشتی سابق ایڈیٹر [illegible] لاہور [illegible] کے مرید صادق ہر سال ان کا
نہایت [illegible]

حضرت مجدد الف ثانی ین احمد سرہندی رح کے متعلق حضرت خواجہ محمد ہاشم
میں لکھتے ہیں کہ آپ جب مولوی حسن کشمیری کی وساطت سے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس
کی خدمت میں بمقام دہلی ۱۰۰۸ھ میں پہنچے۔ تو یہ شعر اکثر آپ کے وردِ زبان رہتا تھا

ازیں نورے کہ از تو بر دلم تافت — یقیں دانم کہ آخر خواہمت یافت

چنانچہ تھوڑی ہی مدت میں آپ درجہ کمال کو پہنچ گئے

میاں خواجہ بخش قوال سکنہ پیلی بھیت حضرت حاجی شاہ محمد شیر رح کا درباری قوال
تھا مجلس سماع گرم تھی۔ یہ غزل پڑھی گئی سے

دیدہ لبریزم سراپا انتظار کیستم — شوق دیدار بچہ دارم بے قرار کیستم
بستۂ آں خال مشکین بستۂ زلف سیاہ — گر مسلمان نیستم زنار دار کیستم

بیقرار کیستم نے دلوں کو تڑپا دیا۔ اور اہل مجلس کے خرمن صبر و قرار پہ ایک بجلی گرا
دی۔ اللہ ہو کے نعرے بلند ہوتے تھے۔ اور ان دلوں کو گرما اور تڑپا جاتے تھے جنہیں
قسام ازل نے سوز و گداز کی کچھ تقسیم کی ہے۔

شیخ ابو سعید ابوالخیر اپنے پیر طریقت شیخ ابوالفضل بن حسن سرخسی کے مزار پر ایک
مرتبہ گئے۔ ایک جماعت ساتھ تھی شرح صدر نے تنگی خاطر کو دور کر کے حالت متغیر کر
دی۔ قوال بھی ساتھ تھا۔ اس نے جب یہ شعر پڑھا سے

این جا معدن مجد و کرم — قبلۂ ما روئے یار و قبلۂ ہر کس حرم

تو شیخ ابو سعید نے ایک نعرہ مارا۔ لوگوں نے ان کے ہاتھ پکڑ لئے۔ وہ قبر کے گرد طواف
کرتے تھے۔ اور نعرے لگاتے تھے۔ درویشوں کی بھی یہی کیفیت تھی۔ سر و پا برہنہ خاک
میں لوٹتے تھے [۲]

حضرت شیخ عبد العزیز خلف اکبر سلطان التارکین شیخ حمید الدین صوفی صاحب ان
ذوق و شوق سے تھے۔ جوانی کی حالت میں سماع کے جوش میں انتقال فرمایا جس کی
کیفیت یہ ہے کہ کسی … کے دن سماع تھا۔ آپ بھی مجلس … شریک تھے۔ قوالوں نے

بلند پایہ عالم فاضل اور صاحب حال تھے۔ ۹ شعبان ۱۰۳۴ھ کو … سال ۴ ماہ کی عمر میں انتقال فرمایا۔ نفحات

ایک غزل شروع کی جب اس شعر پر پہنچے ؎

فائدہ از گفتن بسیار چیست ۔ جاں بدہ و جاں بدہ و جاں بدہ

آپ یہ شعر سن کر تڑپ اٹھے بلند آواز سے ایک آہ کی اور جان بحق تسلیم ہو گئے

شاہ محمد یونس صاحب بہاردی اپنی کتاب ہدایت الہادی جلد دوم میں تحریر فرماتے ہیں ایک دن مجلس سماع و قوالی گرم تھی میں مجلس سے دور فاصلہ پر بیٹھا ہوا تھا آنکھوں سے آنسو بے اختیار جاری تھے اور دل وحشت منزل بے قراری میں مبتلا تھا میں اسی سوز و ساز میں تھا کہ ناگاہ مطربوں نے حافظ شیرازی کی یہ غزل شروع کی ؎

اے نسیم سحر آرامگہ یار کجا است ۔ منزل آں مہ عاشق کش و عیار کجا است

اس غزل کے سننے سے بے تابی کمال تک پہنچ گئی مطرب بہم آواز سے گا رہے تھے لیکن دل یہی چاہتا تھا کہ علیحدہ آہستگی سے پڑھیں اور متواتر پڑھیں آخر میں بے تاب و بے قرار ہو کر قوالوں کے پاس جا بیٹھا وہ پڑھتے جاتے تھے اور مجھ پر بیخودی و مستی کے دروازے کھلتے جاتے تھے مجلس کے برخاست ہونے کے بعد یوسف قوال کو دس کا انگرکھا دے دیا گیا۔

ایک دن قوالوں نے شاہ ردولوی کے سامنے غزل گانی شروع کی ؎

نسیم از بادہ مستانہ می آید ۔ سلیقہ یار نیست جانانہ می آید

میاں شاہ حسین صاحب اور شاہ محمد یونس صاحب بہاردی مجلس میں موجود تھے اس شعر کے سنتے ہی دل پر ورد و نسیم صبا سے لا انتہا کی حالت ہو گئی چنانچہ ہدایت الہادی میں لکھا ہے کہ شاہ محمد یونس بالکل بے قابو ہو گئے اور میاں صاحب بھی عالم ذوق میں آ کر نعرہ پر نعرہ مارتے اور بیخود ہو کر زمین پر لوٹتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے شیخ عثمان سیاح کھڑے تھے انہوں نے عرض کیا قوال حاضر ہیں اگر ارشاد ہو تو غزل شروع کریں آپ نے اجازت دی قوالوں نے جو غزل شروع کی اس کے پہلے ہی شعر سے ؎

ہر زاہدی اگر برسر آید آسان است ۔ کہ دوستی و ارادت ہزار چندان است

میں حضرت خواجہ پر حالت طاری ہو گئی۔ شیخ عثمان سیلاو اور کل حاضرین مجلس پر ایک خاص اثر ہوا۔ سب کے سب حالت تحیر میں کھڑے ہو گئے۔ چاشت سے لیکر شام کی نماز تک یہی حال رہا۔

حدیقۃ الاولیاء میں شیخ فیض بخش چشتی صابری لاہوری کے ذکر میں لکھا ہے کہ وہ بڑے صاحب حال وقال تھے۔ وجد وسماع ذوق وشوق تجرید وتفرید کے مالک تھے۔ جب حضرت کی وفات کے دن قریب آئے۔ تپ محرقہ کی بیماری لاحق ہوئی چند روز اسی حالت میں گذر گئے۔ جب آخری وقت قریب آیا۔ قوالوں کو بلایا چنانچہ حافظ قادر بخش مدح خوان حاضر ہوا اُس کو اشارہ کیا کہ کوئی نعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں پڑھو۔ اُس نے ایک غزل کے یہ دو شعر

منم خاک در کوئے محمدؐ — اسیر حلقۂ موئے محمدؐ

قتیل نوک شمشیر نگاہش — شہید تیغ آبروئے محمدؐ

پڑھے تھے کہ حضرت وجد میں آ گئے۔ جسم پر لرزہ ظاہر ہوا۔ تمام بدن عرق عرق ہو گیا۔ آخر اسی جوش وخروش میں وفات پا گئے۔ تاریخ وفات ۹ رجب ۱۲۸۶ھ ہے مزار لاہور ہی میں ہے مگر معلوم نہیں کہاں ہے۔

ایران کے مشہور شاعر رودکی کا قصہ مشہور ہے کہ امیر نصر بن احمد سامانی نے جب خراسان کو فتح کیا۔ اور ہرات کی فرحت بخش آب وہوا اُس کو پسند آئی تو اس نے وہیں مقام کر دیا۔ اور بخارا جو سامانیوں کا اصل تخت گاہ تھا۔ اس کے دل سے فراموش ہو گیا۔ لشکر کے سردار اور اعیان اُمرا جو بخارا میں عالیشان عمارتیں اور عمدہ باغات رکھتے تھے۔ ہرات میں رہتے رہتے اُکتا گئے۔ اور اہل ہرات بھی سپاہ کے زیادہ ٹھیرنے سے گھبرا اُٹھے تھے۔ سب نے اُستاد ابوالحسن رودکی سے یہ درخواست کی کہ کسی طرح امیر کو بخارا کی طرف مراجعت کرنے کی ترغیب دے۔ رودکی نے ایک قصیدہ لکھا اور جب بادشاہ راگ رنگ کے جلسوں میں محو ہو رہا تھا۔ اس کے سامنے پڑھا

ؔ؎ مصنفہ مولوی مفتی غلام سرور لاہوری مرحوم

اس قصیدے نے اس کے دل پر ایسا اثر کیا کہ بھی حقانی محمل چھوڑ کر اسی وقت اٹھ کھڑا ہوا اور سید موسیٰ جیسے گھوڑے پر سوار ہو کر بیچ لشکر کے سیوان کو روانہ ہو گیا اور دس کوس پر جا کر پہلی منزل کی۔[۱] قصیدہ طویل ہے۔ اس لئے صرف چند اشعار ہی لکھے جاتے ہیں۔

بوئے یار مہرباں آید ہمے | یاد جوئے مولیاں آید ہمے
ریگ آموے و درشتہائے او | پائے مارا پرنیاں آید ہمے
آب جیحوں و شگرفیہائے او | خنگ مارا تامیاں آید ہمے
اے بخارا شاد باش و شاد زی | شاہ سوئے میہماں آید ہمے
شاہ ماہ است و بخارا آسماں | ماہ سوئے آسماں آید ہمے

شاہ سرو است و بخارا بوستاں
سرو سوئے بوستاں آید ہمے

۸ جمادی الاول ۱۳۲۶ھ مطابق [illegible] ۱۹۰۸ء کو سہسرام میں شاہ رکن الدین عشق کے عرس کی تقریب پر خواجہ امانت اللہ صاحب نے سماع کا بڑے پیمانہ پر اہتمام کیا۔ قوالوں نے محفل کو خوب گرمایا۔ شروع سے اخیر تک حاضرین محفل پر یکساں کیفیت طاری رہی۔ حضرت رگس بھی وہاں موجود تھے جب قوالوں نے انہی کی یہ غزل گائی۔

ہر کہ دیدار تو کرد بحیرت آمد | اے صنم جلوۂ تو ہوش ربائے ہمیم
دل عشاق جگر خستہ سودائے حرم | و روش تو بلائے یار دوائے ہمیم
یا بی رب سے لیا دہ نگاہے دریا | من تمار گرم محو تماشائے ہمیم
چوں بہ محو شدے بہ در ستم ایماں | ما نگرید روئے تماشا و جدائے ہمیم

مرد دل باخت آرام تو دلے رگس
یک نظر غیرت دارد سوئے تماشائے ہمیم

غزل کے ایک ایک شعر پر حاضرین محفل کے علاوہ خود حضرت رگس پر عجب کیفیت

[۱] مقدمہ دیوان حقانی صفحہ [illegible] (ادارہ چہ اخبار ۱۹ رجون ۱۹۰۸ء)

طاری تھی۔ غرض یہ ایک عالم تھا جس کو عالم وجد کہتے ہیں۔ ایک کیفیت تھی۔ جو جمال سے جلال میں لا رہی تھی لوگ بھوستے تھے۔ اور ہو حق سے ایک کپکپا دینے والی حالت پیدا کر رہے تھے

بمقام کڑا مانکپور ضلع الہ آباد مجلس سماع منعقد تھی۔ قوالی بڑے زور شور سے ہو رہی تھی۔ محفل کا رنگ خوب جما ہوا تھا۔ قوال یہ غزل گا رہے تھے ؎

مارا بغمزہ کشت و قضا را بہانہ ساخت   خود سوئے ما ندید و حیا را بہانہ ساخت

لوگ مست و محو ہو رہے تھے کہ ایک فقیر پھٹی لنگوٹی باندھے محفل میں گھس آیا اور ایک درد بھری مگر بلند آواز سے یہ نعرہ لگایا ع

خود در میاں درآمد و مارا بہانہ ساخت

اہل مجلس تو مبہوت ہو گئے۔ اور خود وہ فقیر قوالوں کے پاس چکر لگا کر چلدیا اہل محفل کی یہ حالت تھی کہ کسی کو اپنے تن بدن کا ہوش نہ تھا۔ جب یہ حالت رفع ہوئی تو درویش کو ڈھونڈھا مگر نہ پایا۔ سچ ہے ؎

خاکساران جہاں را بحقارت منگر   تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

ملک شاہ گلزار علی مونگیری (خلیفہ حافظ شاہ فریدالدین احمد قادری آروی) بیمار تھے حکم دیا نعت خوانی ہو۔ چنانچہ ۱۵ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ کو قوالوں نے مجلس نعت منعقد کی۔ اور یہ غزل گائی ؎

ما بلبلیم نالاں گلزار ما محمد   ما نرگسیم حیراں دیدار ما محمد

حضرت شاہ صاحب کو پہلے ہی مصرع پر وہ کیفیت طاری ہوئی کہ قوال کے ساتھ خود بھی گانے تھے اور کہتے تھے۔ اللہ اللہ کیا اثر ہے کیا جذب ہے گل مقامات بھٹ رہے ہیں چنانچہ اسی حالت وجد میں آپ کی روح پرفتوح نے ٹھیک بارہ بجے دن کے برحز

سلہ ۔ واقعہ تذکرہ غوثیہ میں بھی لکھا ہے۔ اور وہاں قوال کے بجائے طوائف کا لفظ ہے اور یہ لکھا ہے کہ حضرت غوث علی شاہ قلندر پانی پتی اس مجلس میں موجود تھے۔ جب وہ لنگوٹی بند فقیر ہاتھ میں لاٹھی لئے محفل میں آ کود۔ اور شعر پڑھکر ناچنے لگا۔ تو محفل پر عجب حالت طاری ہو گئی۔ وہ فقیر دو چار چکر مار کر چلدیا اور معلوم نہ ہوا کہ کہاں سے آیا۔ کدھر گیا اور کون تھا۔

جمعہ عالم بالا کی طرف پرواز کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قوالوں کے ہمراہ جنازہ بڑے اہتمام سے اٹھایا گیا اور موضع راٹی تک جہاں آپ کا مزار ہے قوال "یا علیم یا لال گلزار ما محمد" برابر گاتے چلے آئے بعض ترکئے جنازہ پر جو کیفیت طاری تھی احاطہ تحریر سے باہر ہے۔

حضرت پیران پیر سید عبدالقادر محی الدین جیلانی کے عرس کی تقریب پر محفل سماع منعقد ہوئی۔ حضرت سید شاہ غلام محی صاحب فیروزپوری خلیفہ حضرت قبلہ ناڈھال صاحب عرف نعل محمد صاحب سکنہ کوٹ قاسم علاقہ ریاست پٹیالہ نے فرمایا کہ میاں شاہ قاسم کے قوالوں کو بلاؤ۔ وہ حاضر ہوئے ارشاد ہوا کچھ کہو۔ قوالوں نے یہ رباعی گائی ؎

گرچہ معشوق لباس عاشق پوشیدہ ، طلبے زالبسہ ز ہجیر سودا کرد
پر توحسن نگنجد بزمین و آسمان ، در حریم سینہ حیرانم کہ چون جا کرد

حضرت شاہ صاحب رسب کسل طرح چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے رباعی سنتے ہی بیٹھ گئے اور پھر کھڑے ہو گئے اور ایک گھنٹہ کے قریب حالت وجد میں رہے ۔

اورنگ زیب محی الدین عالمگیر بڑا متشرع بادشاہ تھا۔ ایک مرتبہ حکم دیا کہ اتنی میعاد کے اندر ملکی طوائفیں سب نکاح کر لیں ورنہ ان کی کشتی میں بھر کر سب کو دریا برد کر دو نگا۔ سیکڑوں نکاح ہو گئے مگر پھر بھی ایک بڑی تعداد باقی رہ گئی چنانچہ ان کے ڈبونے کے لئے کشتیاں تیار ہوئیں اور صرف ایک دن باقی رہ گیا۔ یہ شاہ محمد یحیٰی کلیم اللہ جہاں آبادی کا تھا۔ ایک حسین نوجوان طوائف روزمرہ آپ کے سلام کو آیا کرتی جب آپ درود وظائف سے فارغ ہوتے وہ طوائف سامنے آکر دست بستہ کھڑی ہو جاتی جب آپ نظر اٹھاتے وہ صرف سلام کر کے چلی جاتی آج جو وہ آئی تو بعد سلام عرض رساں ہوئی کہ آج خادمہ کا اخیر سلام بھی قبول ہو۔ آپ نے حقیقت حال

سلہ لطائف الاحرار (غیر مطبوعہ) مصنفہ حضرت شاہ محمد شعیب بہاری راحو تا

دریافت فرمائی۔ اس جب تمام کیفیت بیان کردی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ حافظ شیرازؒ کا یہ شعر ؎

در کوئے نیک نامی مارا گذر ندادند گر تو نمے پسندی تغیر کن قضا را

تم سب یاد کرلو۔ اور کل جب تمہیں دریا کی طرف لے چلیں تو بہ آواز بلند اس شعر کو پڑھتی جاؤ۔ ان سب طوائفوں نے اس شعر کو یاد کرلیا جب روانہ ہوئیں تو یاس کی حالت میں نہایت خوش الحانی سے بڑے دردانگیز لہجہ میں اس شعر کو پڑھنا شروع کیا جس جس نے یہ شعر سنا۔ دل تھام کر رہ گیا جب بادشاہ کے کان میں آواز پہنچی تو بیقرار ہوگیا ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ حکم دیا کہ سب کو چھوڑ دو۔

مولوی محمد مجید الدین صاحب المخاطب بہ ولی اللہ ارشدی عثمانی سکنہ تجارہ ملک راجپوتانہ اپنے ایک گرامی نامہ مورخہ ۹ رجب ۱۳۳۳ھ میں لکھتے ہیں۔ اخی مکرم مولوی افضال الحق صاحب ڈپٹی کلکٹر کے والد ماجد سید برکت علی صاحب حنفی نے اپنی کتاب مرآۃ الحقائق میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی ایک عبارت زاد المتقین سے اس طرح نقل کی ہے "بعد ازانکہ ایں حقیر (یعنے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح) بوصول مدینہ مطہرہ وسعادت حضور مسجد سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرف شد۔ شب جمعہ کہ پردہ از عمارت داخل مرقد شریف برمیدارند قصیدہ در پیش آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گردانید چوں بدیں بیت رسید ؎

خرابم در غم ہجر جمالت یا رسول اللہ جمال خود نمارحمے بجان زار شیدا کن

چنداں تکرار کردہ شد کہ گریہ زار زار درگرفت۔ غالب آنست کہ بسمع رضائے معرفت اجابت رسیدہ باشد وموجب حصول مقصود گشت۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار میں ایک جگہ اپنے والد بزرگوار شیخ سیف الدین کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ بغایت رفیق القلب اور سریع التاثیر تھے۔ دردمند کا جب کوئی سخن کبھی ان کے سامنے کہا گیا وہ بے چین ہوگئے مثال میں مندرجہ ذیل واقعہ کا ذکر خاص طور پر کرتے ہیں۔ ایک دفعہ کیا کئی مرتبہ عمر خیام کی یہ رباعیؒ

ایں کوزہ چوں عاشق زارے بود است — در بند سر زلف نگارے بود است
ایں دست کہ در گردن او مے بینیم — دستے است کہ در گردن یارے بود

آپ کے سامنے پڑھی گئی اور ہر دفعہ آپ پر حالت طاری ہوتی ہے آپ بے تاب ہو کر گریہ کرتے رہے۔

فردوسی اور محمود غزنوی کا واقعہ کس کو معلوم نہیں محمود غزنوی کے حکم سے فردوسی نے شاہنامہ مرتب کیا جس پر ساٹھ ہزار اشرفی انعام دینا اقرار پایا تھا۔ خواجہ احمد بن حسن میمندی کی فردوسی سے چشمک تھی اس لئے یہ کہکر کہ فردوسی شیعہ ہے بجائے اشرفیوں کے اس کو روپے بھجوا دیئے جن کو فردوسی نے واپس کر دیا یہ بادشاہ کو بہت برا لگا کہ اگر بادشاہ خاک کی مٹھی بھی بھیجے تو چاہیے کہ اس کو آنکھوں کا سرمہ بنایا جائے مگر فردوسی نے سلطان کے ساتھ سخت گستاخی کی ہے چنانچہ محمود نے حکم دیا کہ فردوسی کو ہاتھی کے پاؤں تلے کچلا جائے جس سے عام لوگوں کو عبرت ہو فردوسی کو خبر ہوئی بے تاب ہو کر سلطان کے پاس آیا قدموں پر گر پڑا گڑگڑایا کہ حضور کی رعایا میں گردن زدنی ہیں مجھ کو بھی ان میں سے شمار فرمایئے اور قتل سے معاف کیجئے یہ کہکر ایک عجیب دردناک آواز میں مندرجہ ذیل فی البدیہہ اشعار پڑھے ؎

چو در ملک سلطان کہ حق ستود — بسے ہست بدگہر و دیو دد
گرفتند در ظل عدلش قرار — شدہ ایمن از گردش روزگار
چہ باشد کہ سلطان گردوں شکوہ — مرا ہم شمارد یکے زاں گروہ

سلطان پر ان اشعار کا اس قدر اثر ہوا کہ وزیر کی کسی مخالفت کی کوئی پیش نہ جا سکی۔ اس کا قصور معاف ہو گیا اور فردوسی کی جان بخشی کی گئی[۱]

فردوسی کا قصور تو معاف ہو گیا مگر روپیہ سے اسے جواب ہی دے دیا اس نے جی جان کی سلامتی کو غنیمت سمجھا لیکن غزنی کی رہائش سے اس لئے اکتا گیا۔ کہ وزیر دشمن ہے

۱ ۸ ۔ تاریخ ہندوستان جلد اول صفحہ ۲۳۳ مولفہ شمس العلما مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب مرحوم

کسی نہ کسی دن مصیبت میں پھنسا دیگا چنانچہ غزنی سے اپنے وطن طوس کو روانہ ہو گیا۔
اور جانے سے پہلے شہر کی جامع مسجد کی اس دیوار پر جہاں محمود آ کے بیٹھا کرتا تھا۔ یہ
شعر لکھ گیا ؎

خجستہ درگہ محمود زابلے دریاست | چگونہ دریا کہ آنرا کرانہ پیدا نیست
چہ غوطہ ہا زدم و اندر و ندیدم دُر | گناہ بخت من است ایں گناہ دریا نیست

جب محمود نے جامع مسجد میں آ کر یہ اشعار پڑھے تو متاثر ہو کر ساٹھ ہزار دینار طلا
خلعت شاہی کے ساتھ فردوسی کے پاس بھجوائے جانے کا حکم دیا۔

فردوسی ایک دن اپنے وطن طوس کے بازار میں پھر رہا تھا کہ ایک لڑکے کو اپنا
یہ شعر پڑھتے سنا ؎

بسے رنج بردم بدیں سال سی | عجم زندہ کردم بایں پارسی

اس شعر کے سننے کے ساتھ ہی فردوسی کو اپنی گذشتہ تیس سالہ دماغ سوزی اور جگر کاوی
یاد آگئی۔ غش کھا کر زمین پر گر پڑا۔ جب لوگوں نے اٹھایا تو مرغ روح قفس عنصری
سے پرواز کر چکا تھا۔ لوگ اس کا جنازہ لئے جا رہے تھے کہ بادشاہ کی طرف سے
پورا صلہ یعنی ۶۰ ہزار اشرفی کی پوری رقم بجلد پہنچ گئی۔ اس کی ایک بہن یا بیٹی تھی وہ رقم
اس کو دی گئی۔ لیکن اس بیرچشم نے بھی لینے سے انکار کر دیا۔ آخر بحکم سلطانی طوس کی ندی
پر جہاں فردوسی کا مسکن تھا۔ اس رقم سے ایک پل بنام جسر فردوسی بنایا گیا جس کے ٹوٹے
پھوٹے آثار اب بھی پائے جاتے ہیں ؎

گذشت شوکت محمود و در زمانہ نماند | جز ایں فسانہ کہ نشناخت قدر فردوسی

تذکرۃ العارفین میں حضرت بابا علی رینہ برادر حضرت محبوب العالمین شیخ المشائخ شیخ حمزہ رح
کشمیری اپنے حالات میں لکھتے ہیں کہ جب میں سفر (عرب و سمرقند وغیرہ) سے واپس آ کر کشمیر میں
اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوا تو ایک عجیب حالت روحانی مجھ پر غالب آگئی۔ حافظ
شیرازی کی غزلیں پڑھتا اور فریاد و فغاں کرتا تھا۔ یہ اشعار پڑھتا تو دل کا بخار
نکالنے کے لئے تھا۔ لیکن ان اشعار سے سوز دل اور بھی بھڑک اٹھتی تھی۔ ان

ملے یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے بابا علی رینہ کشمیری کی تصنیف ہے سال تصنیف ۹۴۲ھ ہے میرے پاس یہ کتاب بخط کشمیری پیر دستگیر ... قلمی موجود تھی

غزلوں کے مطلع حسب ذیل ہیں —

صبا بلطف بگو آں غزال رعنا را — کہ سر بکوہ و بیاباں تو دادۂ ما را

اے پیک راستاں خبر سرو ما بگو — احوال گل بہ بلبل دستاں سرا بگو

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نقل کرتے ہیں کہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ ایک رات یہ پڑھ رہے تھے —

چہ بودے کہ دوزخ زمن پُر شدے — مگر دیگراں را رہائی میسر بُدے

اس شعر میں غضب کی تاثیر تھی سارے جہاں کا درد سمٹ کر یہ عجیب تماشا تھی۔ اور بنی نوع انسان کی ہمدردی کا یہ ایک لاجواب مضمون تھا لکھا ہے کہ شیخ شہاب الدین جب تک یہ شعر پڑھتے رہے انکی آنکھیں آنسوؤں سے بند ہیں اور رونا اُن کا جب تک کہ اس شعر سے فارغ نہ ہوتے بند نہ ہوا۔[1]

سلطان غیاث الدین غوری (جس نے ۱۱۷۳ء میں غزنی کو فتح کیا ہے) پر حملہ کرنے کے لئے سلطان خوارزم کا لشکر جب ہاں سرحد پر آتا تو خوارزم نے اپنا ایک ایلچی سلطان کے پاس بھیجا غیاث الدین نے ہر طرف مہیا کیے خوارزم کا حال معلوم کرنے کے لئے ایلچی جب شراب پلا کر مطرب کے گانے پر جب ایلچی مست ہو کر جھوم جھوم کر اس رباعی کی فرمائش کی —

آں شیر کہ مالش روبہ است مقیم — شیراں جہاں ازو ہراسند عظیم

اے شیر تو از روباہ دنداں بنمار — کیں ماہمہ در دہاں شیر اندر یم

مجلس امیر رباعی سنتے ہی غیاث الدین کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا ایک رنگ آتا تھا ایک جاتا تھا اہل مجلس یہ حال دیکھ کر کانپ گئے خواجہ صفی الدین محمود عیاریؒ کا ایک درباری شاعر بھی حاضر مجلس تھا اس نے فی البدیہہ یہ رباعی پڑھی —

آں روز کہ ماراست کیں افراریم — وز دشمن مملکت جہاں پرواریم

شیرے بہ روباہ گر نماید دنداں — دندانش مگر ز در دہاں اندازیم

سلطان کا وہ چہرہ جو پہلے غصہ سے لال چقندر ہو رہا تھا اب خوشی سے چمک

[1] مجموعہ موسوم بہ سوانح احمدی صفحہ ۵۵

اُٹھا۔ اور خواجہ کو خلعت اور بتیس قریہ انعام عطا کیا۔

سلطان کیقباد اور اس کے باپ سلطان بغرا خان کے واقعات تاریخ دان اصحاب سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ نظام الدین نمک حرام نے کیقباد کو رنگ رلیوں پر ڈال کر نہ صرف باپ کا دشمن بنا دیا بلکہ تمام اُمرا وزرا کی بے عزتی کرنے لگا۔ بادشاہ کے رشتہ داروں کو قتل کرا دیا۔ اور خود بادشاہی کی ہوس میں بادشاہ کی جان لینے کی گھات میں رہنے لگا۔ بغرا خان بیٹے کے یہ حالات دیکھتا تھا۔ مکتوب نصائح آمیز لکھتا تھا۔ مگر ست بادشاہ پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ آخر اس نے بیٹے کے دربار میں خود حاضر ہونے کے لئے ایک محبت بھرا خط لکھا۔ کیقباد نے یہ خط پڑھا۔ اور جب باپ کے اس شعر پر پہنچا ؎

گرچہ فردوس مقام خوش است   ہیچ بہ از دولت دیدار نیست

تو بے ساختہ آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ باپ کے دیدار کی تڑپ دل میں پیدا ہوئی اور ادھر میں دریائے گھاگرا کے کنارہ پر ملاقات قرار پائی۔

ہمایوں جب شیر شاہ سوری کے ہاتھوں سے تنگ ہو کر ۵۱ھ میں ایران پہنچا ہے۔ تو شاہ طہماسپ والئی ایران نے بادشاہ ہند کی دلبستگی کے لئے جشن شاہانہ مرتب کیا۔ مطرب (صابر قاق) نے جب اس غزل کو جس کا یہ مطلع ہے ؎

مبارک منزلے کاں خانہ را ماہے چنیں باشد   ہمایوں کشورے کاں عرصہ را شاہے چنیں باشد

گایا تو اہل وجد و حال کے ارکان وجود میں تزلزل آ گیا۔ جب اس شعر کو پڑھا ؎

ز رنج و راحت گیتی مرنجاں دل مشو خرم   کہ آئین جہاں گاہے چنیں گہہ چناں باشد

تو ہمایوں کے دل پر ایسی چوٹ لگی کہ بے اختیار آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور آخر میں رقت طاری ہو گئی۔ جس سے تمام مجلس پر افسردگی چھا گئی۔

درا اندازہ ہر ملک۔ ہر سلطنت اور ہر قوم میں ہوتے ہیں۔ ایران ان سے کس طرح خالی رہ سکتا تھا۔ چنانچہ بعض خود غرضوں نے شاہ ایران کو ہمایوں کی امداد سے اس لئے

لہ تاریخ ہندوستان جلد سوم صفحہ ۱۵۳ مولفہ شمس العلماء مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب مرحوم

روک دیا کہ آپ شیعہ ہیں وہ سنی دونوں کے عقائد میں زمین آسمان کا فرق ہے بڑھ کر
معاملہ بگڑ گیا مگر جب ہمایوں نے اپنی ایک رباعی شاہ ایران کو بھیجی جس کا دوسرا شعر
حسب ذیل ہے ؎

شاہاں ہمہ سایۂ ہمائے خواہند — سگر کہ ہما آمدہ در سایۂ تو

تو شاہ ایران پر عجب حالت طاری ہو گئی۔ اور چند شرائط کے ساتھ ایرانی فوج اُس
کے ساتھ کر دی چنانچہ اسی ایرانی فوج کی کوشش سے قندھار کابل اور بدخشاں کے
بعد ہندوستان فتح کیا گیا

جب ہمایوں کے مرنے کے دن قریب آئے تو برخلاف اپنی عادت[1] کے اکثر موت کا
کا ذکر کیا کرتا تھا۔ ایک دن فرمایا جب میں دہلی کے مزارات کو دیکھتا ہوں تو میرا بھی
مرنے کو جی چاہتا ہے پھر ایک دن جب اپنی ذیل کی رباعی پڑھی ؎

یارب بکمال لطف خاصم گرداں — واقف بحقائق خواصم گرداں
از عقل جفاکار دل افگار رسدم — دیوانۂ خود خوان و خلاصم گرداں

تو بے اختیار رو دیا اور کہا اس عالم فانی سے لوٹنے انتقال آنی ہے (کچھ دنوں
کے بعد ہمایوں کا انتقال ہو گیا)

ہمایوں کو اُس کے بھائیوں سے بہت تکلیفیں پہنچی تھیں بلکہ ہندوستان سے فراری
بھی بھائیوں ہی کی خانہ جنگیوں کا نتیجہ تھی۔ جب اس کی قسمت نے پلٹا کھایا اور وہ ایران
سے واپس ہندوستان میں آیا۔ تو بھی اُس کے بھائی خصوصاً مرزا کامران اس کا سختی سے
مقابلہ کرتا رہا۔ آخرکار میں ہمایوں نے اس کو گرفتار کیا۔ اور اعیان سلطنت کے مشورہ
سے باوجود اپنی کمال رحمدلی کے بھائی کی آنکھوں میں سلائی پھرائی گئی اور نشتر لگوائے گئے
یہاں تک کہ اُس کی بینائی بالکل جاتی رہی۔ مرزا کامران نے بادشاہ سے اپنے عزیز دوست پر

۱؎۔ ہمایوں کا حکم تھا کہ دربار میں کبھی موت کا ذکر نہ آیا کرے کہ اس سے دل پر جو اثر ہوتا
ہے اس سے انتظام مملکت میں خلل ہوتا ہے۔ رزم نامہ تیر سابع صفحہ ۲۴۲ مؤلفہ مولوی
برکت اللہ صاحب ۲؎۔ [illegible] ۹۶۳ھ [illegible] (۹۶۳ھ) سے نکلتی ہے

ملوک کے ملنے کی خواہش ظاہر کی چنانچہ وہ منظور ہوئی جب ملوک آیا تو اپنی اندھی آنکھوں پر اس کے ہاتھ رکھے۔ اور رو رو کر بصد مشکل اس شعر کو پورا کیا سہ

ہر چند کہ چشم برخت پردہ کشیدہ است بنیاست بچشمے کہ کسے پیشے تو دیدہ است

فیضی کو سب جانتے ہیں کہ وہ علامہ ابوالفضل کا بڑا بھائی اور دربار اکبری کا ملک الشعرا تھا۔ ۹۵۴ھ میں پیدا ہوا۔ اکبر کے جلوس کے بارھویں سال بادشاہ تک اس کی رسائی ہوئی مشہور ہے کہ جب وہ دربار میں آیا تو چاندی کے کٹھرے سے اس کو باہر کھڑا کیا گیا۔ اُس وقت اس نے پڑھا سہ

بادشاہا درون پنجرہ ام از سر لطف خود مرا جا دو

زانکہ من طوطی شکر خایم جائے طوطی درون پنجرہ دہ

بادشاہ نے یہ قطعہ سنکر بہت پسند کیا۔ اور اسی وقت سے فیضی پر مراعات وعنایات کی بارش ہونے لگی۔

اکبر ۲ محرم الحرام ۹۸۹ھ کو دارالخلافہ سے پنجاب کی طرف روانہ ہوا۔ ۱۷ محرم کو تھانیسر میں پہنچا۔ ابوالفضل ہمراہ تھا۔ بادشاہ شیخ جلال تھانیسری سے کہ ہزار ہا لوگ ان کے ارادتمندوں میں داخل تھے ملا۔ بادشاہ کے اشارہ سے ابوالفضل نے پوچھا۔ آپ کی ساری عمر نیکوں کی صحبت میں گذری۔ دل سراسیمہ کو اختلاف کے تفرقہ سے نجات دلانے کا بھی کوئی علاج ہے کہ نہیں شیخ آنکھوں میں آنسو بھر لایا۔ اور روتی ہوئی آواز میں کہا سہ

آہ زاستغنائے دلبر آہ آہ کز تعظم بست بر کونیں راہ

شاہزادہ سلیم کئی دفعہ باپ (اکبر) سے بگڑا۔ اور کئی مرتبہ اس کے پاؤں پر گرا۔ ۱۰۱۲ھ مطابق سال جلوس ۴۸ھ میں بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ بادشاہ نے پہلے اپنی بیگم سلطان سلیمہ اور پھر شاہزادہ کی خواہش کے مطابق اس کی دادی حضرت مریم مکانی کو اس کے بلانے کے لئے بھیجا۔ جب اکبر آباد کے قریب آگیا تو پیغام بھیجا کہ کوئی ساعت سعید میری قدمبوسی کے لئے مقرر کی جائے۔ بادشاہ نے جواب میں جعفر بیگ آصف خاں کے یہ اشعار لکھے سہ

اے جستہ ز ما برسم عادت ساعت ادراک وصال را چہ حاجت ساعت

وصل کہ گشت ملول ساعت ٭ ساعت جنگی بہار ساعت ساعت

یہ اشعار سن کر بیٹا دوڑ آیا قدموں پر گرا باپ نے گلے لگایا بعد نقارہ شادیانی بجا۔

بیرم خاں اکبر کا اتالیق اور اس سے باپ ہمایوں کا وفادار مصلاح کار تھا ۹۶۴ھ میں جب اکبر نے ہیموبقال کی مہم سے فراغت حاصل کر لی بیرم خاں کے گھر لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اکبر نے عبدالرحیم رکھا اور جو بڑا ہو کر مرزا عبدالرحیم خان خاناں کہلایا۔ اس کی دریا دلی اور امارت کے افسانے تاریخوں اور کتابوں میں مرقوم ہیں دربار اکبری (صفحہ ۶۱۵) میں لکھا ہے ایک دفعہ مرزا خان خاناں جس کو بادشاہ نے منعم خاں کا بھی خطاب دیا تھا دربار شاہی سے برہانپور کو روانہ ہوا پہلی ہی منزل پر ڈیرا کیا تو سر شام سراپردہ کے سامنے شامیانہ کے نیچے کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور مصاحبوں ملازموں سے دربار آراستہ تھا ایک آزاد سامنے سے گذرا اور پکار کر کہتا چلا ؎

منعم بکوہ و دشت و بیاباں غریب نیست ٭ ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

منعم خاں اس برمحل اور برجستہ شعر کے سننے سے بڑا خوش ہوا خزانچی کو حکم دیا ایک لاکھ روپیہ دیدو۔ فقیر دعا میں دیتا چلا گیا ساتھ منزلوں تک وہ فقیر اسی طرح کہتا اور لاکھ لاکھ روپیہ لیتا رہا پھر خود ہی چلا آیا آج تک اتنا انعام نہ کسی نے دیا ہے نہ لیا ہے ایسا نہ ہو حد ہو کر اگلا پچھلا سب چھین لے اس لئے زیادہ طمع اچھا نہیں جب آٹھویں دن فقیر کی صدا نہ آئی تو منعم خاں نے کہا برہانپور آگرہ سے ۲۷ منزل ہے ہم نے تو پہلے دن ہی ۲۷ لاکھ روپیہ کا فکر کر لیا تھا۔ فقیر تنگ حوصلہ ہو گا۔ خدا جانے کیا سمجھا کہ پھر نہیں آیا۔

ایک شخص خان خاناں کے پاس آیا جو سمجھا تو مفلس لیکن جہاں اس کا دل اچھا تھا وہاں بغیر روپے کے گذارہ مشکل تھا اس نے خان خاناں کے دربار میں یہ قطعہ پڑھا ؎

اے خان جہاں خانخاناں ٭ دارم سخنے کہ رفتنک این است
گر جان طلبد مضائقہ نیست ٭ ور زر طلبد سخن درین است

پوچھا وہ کیا مانگتے ہیں کہا لاکھ روپیہ۔ حکم دیا۔ لاکھ ان کو دیگا تو آپ کیا کھائےگا۔ ارشاد ہوا سوا لاکھ دیدو۔

سکندر لودھی کے عہد (۸۹۴ھ تا بابت ۹۲۳ھ) میں شیخ جمال کمبوہ دہلوی شعرائے باکمال میں گذرے ہیں۔ ابتدا میں بالکل فقیرانہ حالت اور سخت تنگدستی تھی۔ مگر اس حال میں بھی شاعری کی شہرت ایران تک جا پہنچی تھی۔ دربار اکبری میں لکھا ہے کہ آپ جب مولانا جامی کی خدمت میں گئے۔ تن سے بالکل برہنہ تھے۔ اور ایک لنگوٹ سا باندھا ہوا تھا۔ انہوں نے پوچھا کون ہے؟ کہا خاک ہند سے ہوں۔ پوچھا جمالی شاعر کے کلام سے بھی کچھ یاد ہے۔ انہوں نے دو تین شعر پڑھے۔ پھر پوچھا۔ تم بھی کچھ کہتے ہو۔ آپ نے یہ مطلع پڑھا ؎

مارا زخاک کویت پیراہن است بر تن

آں ہم زآب دیدہ صد چاک تا بدامن

یہ کہا اور ساتھ ہی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ بدن پر تمام گرد پڑی تھی۔ سینہ پر جو آنسو گرے۔ پیراہن خاکی چاک چاک ہو گیا۔ مولانا جامی سمجھ گئے۔ اٹھ کر گلے ملے اور تعظیم و تواضع سے پیش آئے۔ ۹۴۳ھ میں دہلی میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

شیخ سلیم چشتی وہ بزرگ ہوئے ہیں۔ جن کی دعا و برکت سے اکبر کو سلیم سا فرزند ملا تھا۔ اکبر نے ایک مرتبہ شیخ سے پوچھا۔ آپ کا انتقال کب ہو گا۔ فرمایا اس کا علم عالم الغیب ہی کو ہے۔ بادشاہ نے جب بہت اصرار کیا تو شاہزادہ سلیم کی طرف دیکھکر فرمایا۔ جب یہ شاہزادہ اتنا بڑا ہو گا کہ جو کچھ اس کو یاد کرایا جائے وہ سیکھ لے اور پھر خود ادا کرے۔ تو سمجھنا کہ ہمارا وصال نزدیک ہے۔ جہانگیر اپنی توزک میں لکھتا ہے اس واقعہ کو دو برس سات مہینے گذرے تھے کہ ایک عورت نے جو مجھے نظر گذر کے لئے روز اسپند کر جاتی تھی۔ اور اسے کچھ بطور خیرات مل جایا کرتا تھا۔ مجھے یہ شعر یاد کرا دیا ؎

الٰہی غنچہ امید بکشا   گلے از روضہ جاوید بنما

میں یہ شعر یاد کر کے شیخ کے پاس گیا ان کو سنایا وہ خوشی کے مارے اچھل پڑے
دوسرے دن تان سین کو بلوا کر گانا سنا بادشاہ کو بلا کر اس واقعہ کی اطلاع دی
اور کہا اب ہم رخصت ہوتے ہیں اور چند ہی دنوں میں واصل بحق ہو گئے۔
ایک مرتبہ شہنشاہ جہانگیر کے سامنے یہ شعر پڑھا گیا ؎

مگر مسیح از سر ما کشتگان عشق — یک زندہ کردن تو بصد خون برابر است

جہانگیر اپنی تزک میں لکھتا ہے کہ یہ شعر سنکر میری طبیعت بے اختیار ہو گئی خیالات میں ایک تلاطم پیدا ہوا اور فوراً ہی میری زبان پر یہ بیت آگیا ؎

از من متاب رخ کہ نیم بے تو یک نفس — یک دل شکستن تو بصد خون برابر است

شہریار یوں تو شاہجہاں کا بھائی اور جہانگیر کا بیٹا تھا مگر بڑا بدنصیب تھا اور اس کی بدنصیبی اس زمانے میں اور بھی ترقی کر گئی جب نورجہاں نے اپنی بیٹی (جو شیر افگن خاں سے تھی) سے کر اس کو اپنا داماد بنالیا تھا۔ نورجہاں چاہتی تھی کہ شہریار جہانگیر کے بعد تخت پر بیٹھے اور آصف خاں اس کا بھائی اپنے داماد شہزادہ خرم (شاہجہاں) کے لیے جان لڑا رہا تھا۔ جب جہانگیر کا کشمیر کی واپسی میں مقام بہرام گلہ انتقال ہوا۔ اس وقت شہریار اپنے علاج کے لئے لاہور میں مقیم تھا باپ کے مرنے کی خبر سنکر آصف خاں کے مقابلہ پر دریائے راوی سے عبور کیا۔ آخر اپنی بیگم سمیت محلوں سے باہر نکالا گیا دوسرے دن آصف خاں کے ایما سے اس کی آنکھوں میں سلائی پھیری گئی۔ دنیا جہاں اس کی آنکھوں میں سیاہ ہو گیا روتا تھا اور کہتا تھا ؎

نرگس گلاب از چہ شداں کشید — کشتند دار نرگس من گلاب
اگر از تو پرسند تاریخ من — مگر کور شد دیدۂ آفتاب

اس زمانہ میں یہ شعر لاہور میں بچہ بچہ کی زبان پر تھے جو سنتا تھا سر کو دھنتا تھا۔
دکن میں خاندان بہمنی کا دوسرا بادشاہ سلطان محمد شاہ اول (عہد حکومت ۱۳۵۸ء تا ۱۳۷۵ء) آخر عمر میں بے انتہا عیاش ہو گیا تھا اور شراب سے تو ایک لمحہ بھی

غفلت نہیں کرتا تھا

دکن کے کل مشائخ نے خوف کے مارے اُس سے حاضر و غائب بیعت کی۔ شیخ زین الدین نامی ایک بزرگ تھے۔ انہوں نے کہلا بھیجا مرنا قبول ہے مگر ایک شرابی کی بیعت نہیں ہو سکتی۔ بادشاہ نے اس کو شہر بدر کرا دیا۔ بعد میں افسوس ہوا۔ اور اُن کو واپس بلوا بھیجا۔ انہوں نے لکھا۔ اگر بادشاہ امر معروف و نہی منکر میں کوشش کرے تو زین الدین فقیر سے زیادہ وہ کسی کو اپنا دوست نہ پائیگا۔ اور یہ رباعی لکھی سے

تا من بزیم بجز نکوئی نکنم ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ جز نیک دلی و نیک خوئی نکنم
آنہا کہ بجائے ما بدی ہا کردند ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ تا دست رسد بجز نکوئی نکنم

بادشاہ پر اس رباعی کا یہ اثر ہوا کہ شراب فروشی کی دوکانیں بند ہوگئیں۔ سنت محمدیہ پر عمل ہونے لگا۔ اور علما و فضلا کے مراتب و مراسم کی نگہداشت ہونے لگی۔ اور آخر شاہ زین الدین بادشاہ کے پاس گلبرگہ میں آ گئے۔[۱]

منشی چندر بھان برہمن اکبر آبادی دور شاہجہانی کے ایک نامور شاعر اور شاہزادہ دارا شکوہ کے دامن دولت سے وابستہ تھے۔ شاہزادہ اُن پر بہت مہربان تھا۔ ایک مرتبہ بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ منشی چندر بھان طرفہ شعر کہتا ہے۔ اگر حکم ہو تو حضور کی خدمت میں حاضر ہو۔ بادشاہ نے حکم دیا۔ بلاؤ۔ منشی چندر بھان حاضر ہوا۔ شاہجہان نے کہا کہ جو شعر بابا (شاہزادہ) نے پسند کیا ہے اُس کو پڑھو چنانچہ برہمن نے یہ شعر پڑھا سے

مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندیں بار ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ بکعبہ بُردم و بازش برہمن آوردم

یہ شعر سنتے ہی بادشاہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ غصہ سے آستین کو چڑھایا۔ اور کہا کوئی ہے کہ اس کا جواب دے۔ اور میرے غصہ کو فرو کرے۔ افضل خاں کہ امرائے کبار میں سے تھا اور حاضر جوابی میں فرد! بولا حضور اس کا جواب تو شیخ سعدی چار سو سال پیشتر فرما گئے ہیں سے

[۱] تاریخ ہندوستان جلد چہارم حصہ دوم صفحہ ۳۲ از مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی

حیف عیسیٰ اگر بمگردد　　　چوں بیاید بمردہ جاں باشد

بادشاہ بہت خوش ہوا خان مذکور کو انعام سے مالا مال کیا اور فرمایا اگر یہ ہمیں کے شعر کا جواب نہ ملتا تو ہم صدمہ سے اپنے آپ کو ہلاک کر دیتا شاہزادہ اور منشی چندر بھان مستعفی ہو کر چلے گئے[1]۔ چندر بھان کا انتقال ۱۰۷۳ھ میں ہوا ہے۔

عالمگیر اپنے جلوس کے سال ۱۰۷۹ھ میں سخت بیمار ہو گیا[2] امیر خاں نقل کرتا ہے کہ بادشاہ کو ایک دن نہایت ضعف ہو گیا آنکھیں بند تھیں زیر لب آہستہ آہستہ اشعار پڑھ رہا تھا ؎

بہشتاد و نہ چوں در رسیدی　　　ساعتی کز او دوراں کشیدی

دراں جا چوں بستند محمل زندگانی　　　بو مرسگے بصورت رہ بگانی

بادشاہ کی حالت اس وقت متغیر تھی میں نے جب یہ شعر سنے تو حوصلہ کر کے عرض کیا کہ شیخ گنجوی نے ان ابیات کی تمہید میں یہ بیت بھی کہی ہے ؎

پس آں بہ کہ خود را شاد داری　　　دراں شادی خدا را یاد داری

امیر خاں لکھتا ہے یہ شعر سنتے ہی بادشاہ کی حالت میں ایک اطمینان سا نظر آنے لگا اس شعر کو مجھ سے بار بار سنا اور لکھوا لیا اور بہت دیر تک یہ شعر اس کے ورد زبان رہا۔

شیخ حمید الدین ناگوری کہ صاحب کمال بزرگ اور اولیائے عظام میں سے تھے ایک دن مجلس سماع میں تھے قوالوں نے جب یہ رباعی پڑھی ؎

آں عاقل کجا کہ در کمال تو رسد　　　واں روح کجا کہ در جلال تو رسد

گیرم تو پردہ برگرفتی ز جمال　　　آں دیدہ کجا کہ در جمال تو رسد

تذکرہ حسینی زبان فارسی مطبوعہ لکھنؤ میں لکھا ہے کہ شیخ کو اس رباعی پر وجد ہوا کہ وہ بہت سال تک اسی حالت میں رہے

تذکرہ حسینی میں ایک شاعر دیوانہ بغدادی کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ وہ ایک یہودی کی لڑکی پر عاشق ہو گیا تھا لڑکی بھی اس کے فراق میں ماہی تھی لیکن بعض وجوہ ایسی تھیں کہ دونوں کی شادی کو کچھ لگاؤ اور ملاقات تک محال تھی ایک بزرگ کی مدد سے دیوانہ اپنی معشوقہ کے مکان تک پہنچا ایک آہ کھینچی اور بلند آواز سے یہ رباعی پڑھی ؎

در عشق تو ام طاقت تنہائی نیست　　　در ہجر تو ام تاب شکیبائی نیست

تا وصل تواں نہ تحمل کردم　　　دیگر چہ کنم وسع توانائی نیست

اندر سے آواز آئی ؎

در عشق کسے را کہ توانائی نیست　　　در ہجر تحمل و شکیبائی نیست

مرگ او کہ مردن مرگ　　　مرنے دگر کہ چارہ نیست

[1] تذکرہ حسینی ... حدیث سماع ص ۳۳　[2] ... امیر خاں ... [illegible] نام ہی لکھا ہے ... [illegible]

خدا جانے اس آواز میں کیا جادو اور کیا اثر تھا۔ کہ دیوانہ نے جب یہ اشعار سُنے تو ایک نعرہ مارا اور جان ۔ جان آفرین کو سونپ دی ۔ ساتھ ہی اندر سے بھی ایک شور بلند ہوا ۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ لڑکی بھی مرگئی ہے ۔

حضرت ملا شاہ رح حضرت میاں میر لاہوری رح کے مرید خالص اور شہزادہ دارا شکوہ (خلف اکبر شہنشاہ شاہجہاں) کے مرشد گرامی تھے ۔ حضرت میاں میر رح کی وفات کے بعد حضرت ملا شاہ رح کشمیر میں گئے ۔ وہاں اُن کی عمارات کے کھنڈرات اب تک موجود ہیں ۔ ملا شاہ نے انہی دنوں میں ایک شعر کہا ؎

پنجہ در پنجۂ خدا دارم   من چہ پروائے مصطفےٰ دارم

شاہجہان بادشاہ نے علمائے دہلی سے فتویٰ طلب کیا کہ ملا شاہ اس شعر کے کہنے سے واجب القتل ہے یا نہیں کیونکہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہانت ہوتی ہے ۔ شاہجہان نے ملا شاہ کو بھی بلوایا ۔ پوچھا یہ شعر آپ کا ہے کہا ہاں ۔ فرمایا اس سے رسول خدا کی توہین ہوتی ہے ۔ حضرت ملا شاہ نے کہا توہین تو آپ لوگ کرتے ہیں ۔ جو اپنے اور مصطفےٰ اور خدا میں تفریق پیدا کر رہے ہیں ۔ خدا کے پنجہ میں میں بھی ہوں آپ بھی اور مصطفےٰ بھی ۔ پھر پرواہ کس کی اور خوف کس کا ۔ بادشاہ خاموش ہوگیا ۔ اہل کشمیر نے جمع ہو کر کہا ملا شاہ نے بادشاہ پر جادو کر دیا ہے جب وہ دعوئے الوہیت کرتا ہے تو قتل اس کا کیوں لازم نہیں ۔ اس ارادہ سے سب لوگ ملا شاہ کے پاس گئے ۔ لیکن جب ان کے پاس پہنچے ۔ بہت سے تو بھاگ گئے اور اکثر ان کے مطیع و معتقد ہو گئے ۔

حضرت سرمد برہنہ[1] اپنا مال و اسباب لٹا کر برہنہ ہو گئے ۔ اُن دنوں عالمگیر اپنے

---

[1] آپ اصل میں کاشانی یہودی اور بقول بعض ارمنی فرنگی تھے ۔ بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئے ۔ جب ہندوستان میں آئے تو پیشہ تجارت تھا ۔ نہایت آسودہ حال تھے ۔ دہلی میں آکر ایک ہندو لڑکے ابھے چند پر عاشق ہو گئے اور کہا ؎
سرمدا گرچہ بسیار حرف کس و بیہودہ لئے من ابیتے چہ راست باشیر جذبہ عشق تا ہر ۔ مال و اسباب غائب کر دیا یہاں تک کہ بالکل برہنہ ہو گئے ۔ اور آخر عمر تک اسی حالت میں رہے ۔

بھائیوں کو شکست دے کر اور باپ (شاہجہاں) کو قید کر کے تخت نشین ہو چکا تھا۔ حضرت سرمد نے کہا بادشاہی آخر دارا شکوہ ہی کو ملیگی عالمگیر کو یہ بات ناگوار گذری ملا قوی کو جو قاضی القضاۃ تھا سرمد کے پاس یہ پیام دے کر بھیجا کہ کمالات کے ہوتے ہوئے بھی مکشوف العورت رہنا کیا طریقہ ہے سرمد نے کہا کیا کروں شیطان قوی ہے اور یہ رباعی بالبدیہہ پڑھی ؎

بالائے خوشی کردہ چنیں پست مرا — چشمے بدو جام برد از دست مرا
او در بغل مست و من در طلبش — دزدے عجبے برہنہ کردست مرا

قاضی قوی اپنے نام کے ساتھ شیطان قوی کا لفظ سن کر بھڑک اٹھا بادشاہ کے پاس گیا اور کہا وہ واجب القتل ہے، بادشاہ نے کہا کل اُسے حاضر کرو۔ تمام علماء بحث کریں اگر وہ ایسا ہی ثابت ہوا تو اس کی گردن اڑا دی جائیگی سرمد دربار میں بلایا گیا بادشاہ نے کہا تو نے جو کہا تھا کہ دارا شکوہ بادشاہ ہوگا ثابت کر بادشاہ ہے سرمد نے کہا بادشاہی دارا شکوہ ہی کو حاصل ہوگی بادشاہ کچھ پہلے ہی جلا بھنا تھا اس کلام سے اور بھی رنجیدہ ہوا پھر کہا لا الہ سے آگے کچھ نہ کہنا کیا معنے رکھتا ہے کہا ابھی نفی میں غرق ہوں اثبات بعد میں کے ہوتی ہے۔ بادشاہ نے اس کو توبہ کی اور ستر ڈھکنے کی تاکید کی مگر اس نے ایک نہ مانی اور کہا تو یہ کہا ؎

عمریست کہ آوازۂ منصور کہن شد — من از سر نو جلوہ دہم دار و رسن را

آخر شرعی بحث کے بعد وہ قتل گاہ میں لایا گیا جب جلاد نے اس کا سر قلم کرنے کے لئے تلوار کو نیام سے باہر نکالا تو سرمد نے ہنس کر کہا ؎

رسیدہ یار عریاں تیغ ایدم — بہر رنگے کہ آئی می شناسم

شیخ المشائخ حضرت شیخ عبدالجلیل المعروف حضرت چوہڑ شاہ بندگی لاہوری[1] ایک

[1] مزار مبارک لاہور میں متصل قلعہ گوجر سنگھ واقع ہے ماہ رجب سنہ ۹۴۱ھ مطابق ۱۵۳۴ء میں وفات پائی سلطان بہلول لودی کے آپ نواسا تھے اصل وطن لاہور تھا مگر بعد مسعود واحد ریاست بہاولپور کے رہنے والے سلطان حمید الدین حاکم کے نامی اسا ... سے یہاں میں تشریف لائے اور لاہور میں قیام فرمایا
(مدیر سفینہ)

مزنہ کوہستان بھکھ کی سیر سے واپس تشریف لاتے ہوئے موضع چلور ابراہیم میں چند روز اقامت گزیں ہوئے ایک دن آپ نے فرمایا کہ مجلس سماع منعقد کرائی جائے۔ چنانچہ ہر طرف سے بیت اور دوہڑے پڑھنے والے حاضر ہوئے۔ ایک قوال نے جب عراقی کے یہ اشعار پڑھے سے

نخستیں بادہ کاندر جام کردند ز چشم مست ساقی وام کردند

چو خود کردند راز خویشتن فاش عراقی را چرا بدنام کردند

تذکرہ قطبیہ میں لکھا ہے کہ حضرت کو وجد آگیا بے اختیار ہو کر کھڑے ہو گئے۔ اور جوش وخروش میں سامنے کے (سات گز عرض) ٹیلہ کو چیرتے ہوئے آگے کو نکل گئے اسی وقت ٹیلہ سے پانی جاری ہو گیا۔ جس کی رو میں آپ پھر واپس آگئے۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے ہاں ایک دفعہ مجلس سماع تھی۔ قوالوں نے جب یہ شعر پڑھا سے

عاشق روئیت کجا بیند بکس بستہ موئیت کجا ماند خلاص

مرآۃ السالکین[1] میں لکھا ہے کہ اس شعر پر آپ کو دیر تک وجد آتا رہا۔

ہز میجسٹی امیر حبیب اللہ خاں فرمانروائے افغانستان جب ۱۹۰۷ء میں بعہد لارڈ کرزن وارد ہندوستان ہوئے تو ۱۶ر جنوری ۱۹۰۷ء کی صبح کو علی گڈھ بھی تشریف لائے۔ اس زمانہ میں نواب محسن الملک کالج کے سکرٹری تھے۔ ہز میجسٹی امیر صاحب مختلف کمروں اور جماعتوں کا معائنہ و ملاحظہ کرتے ہوئے جب ڈرائینگ ہال (سر سالار جنگ کے عطیہ کی یادگار سالار منزل) میں تشریف لائے اور وہاں کتبہ میں جو دیوار میں نصب تھا سر سید احمد خاں بانی کالج کا یہ شعر پڑھا سے

اجرش دہد خدا لیے کہ کرد است یاوری باآں گساں کہ ناصر دیا ورند انشنند

تو ہز میجسٹی کے دل پر بہت اثر پڑا۔ اور ان کی آنکھوں کے سامنے مسلمانوں کی حالت زار اور ذی مقدرت اہل اسلام کی ضرورت توجہ کی تصویر پھر گئی۔ ہز میجسٹی نے

---

[1] صفحہ نمبر ۹۸ مطبوعہ میکی پریس گوجرانوالہ مصنفہ مولوی امام الدین صاحب چشتی

کالج کو بیس ہزار نقد اور تین ہزار روپیہ سالانہ عطا فرمایا۔

الہ آباد میں جب محمڈن ایجوکیشنل (اسلامی تعلیمی) کانفرنس کا جلسہ ہوا۔ تو ہزار ہا حاضرین کے سامنے جن اشعار کو پڑھکر نواب محسن الملک مرحوم وجد میں آگئے تھے وہ مولانا حالی مرحوم مصنف حیات سر سید احمد خاں نے حسب ذیل لکھے ہیں ؎

دلبراں ماہ پیکر دیدہ ام — در جمال چیز دیگر دیدہ ام
ایں چہ نور است اینکہ تاباں از تو ہست — ہفت کوکب نور افشاں از تو ہست
تو کمال از کمال کیستی — مظہر نور جمال کیستی

یہ تینوں شعر نواب محسن الملک نے نہایت ذوق وشوق کے ساتھ بے خودی کے عالم میں سر سید کو مخاطب کر کے پڑھے تھے مولانا حالی لکھتے ہیں اُس وقت کا سماں کبھی دل سے فراموش نہیں ہوتا۔[1]

مولوی محمد حمید الدین صاحب المخاطب بہ ولی اللہ ابن سید عثمانی (سجادہ نشین)

۵ رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ کو ایک خط میں اطلاع دیتے ہیں کہ میں مئو سلطانپور اور پرتاب گڈھ وغیرہ مقامات سے ہوتا ہوا الہ آباد پہنچا یہاں ۸ رمضان المبارک کو شیخ رحیم بخش صاحب سوداگر چوک کے ہاں حضرت سید وصی علی شاہ صاحب مخدوم زادہ سندیلوی کی فاتحہ تھی بعد نماز عشاء دعوت ہوئی اس کے بعد فاتحہ خوانی کی رسم عمل میں آئی اور آخر میں مجلس سماع منعقد ہوئی جب قوال نے یہ شعر پڑھا ؎

تیغ ادائے تو سرے بردستم — نوک سنان جگرے بردستم

تو شاہ محمد لطیف صاحب محمدی الوالعلائی کو اس شعر پر کیفیت طاری ہوئی۔ اور وہ دیر تک اسی حال میں رہے

شیخ جلال الدین تھانیسری جو عالم متبحر اور مولانا گنگوہی رہ کے مرید تھے جب ایک مرتبہ روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوئے تو آواز آئی کہ اپنے پیر مدعی کو ہمارا سلام کہدینا جب آپ حضرت مولانا گنگوہی کی خدمت میں پہنچے

[1] حیات جاوید حصہ دوم صفحہ ۴۳۵ طبع اول

تو کہا کہ بوقت رخصت روضہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم آئی تھی کہ اپنے پیر سے ہمارا سلام کہدینا۔ فرمایا جو اصل الفاظ ہیں وہ کہو۔ پیغام میں کتر بیونت کا کیا مطلب۔ مولانا جلال الدین خوف اور بے ادبی کی وجہ سے اصل الفاظ کہنے سے ہچکچاتے تھے۔ آخر حضرت کے اصرار سے "پیر بدعتی" کے الفاظ بھی کہدیئے یہ الفاظ سنتے ہی آپ پر وجد کی حالت طاری ہو گئی۔ کودتے اور اچھلتے تھے اور خواجہ حافظ شیرازی کا یہ شعر بار بار پڑھتے تھے ؎

دم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی　　جواب تلخ مے زیبد لب لعل شکر خارا

تذکرہ غوثیہ میں لکھا ہے کہ تین روز تک یہی عالم رہا۔

ایک مرتبہ حضرت غوث علی شاہ قلندری نے پانی پت میں (جہاں آپ کا مزار واقعہ ہے) اپنی مجلس میں خواجہ حافظ کی یہ غزل پڑھی ؎

حسب حال نونشتے شدہ ایامے چند　　قاصدے کو کہ فرستم بتو پیغامے چند

مابداں منزلِ عالی نتوانیم رسید　　ہاں مگر لطفِ شما پیش نہد گامے چند

اے گدایان خرابات خدا یار شماست　　چشم انعام مدارید ز انعامے چند

زاہد از کوچہ رنداں بسلامت بگذر　　تاخرابت نکند صحبت بدنامے چند

پیر میخانہ چہ خوش گفت بدردی کش خویش　　کہ مگو حال دلِ سوختہ با خامے چند

حضرت یہ غزل پڑھتے تھے اور اہل مجلس لوٹ پوٹ ہوتے جاتے تھے" کیفیت اہل بزم کی تھی کوئی دل نہ تھا جو مضطرب نہ ہو اور کوئی آنکھ نہ تھی۔ جو اشک آلودہ نہو گئی ہو۔

ایک دن حضرت غوث قلندری کی مجلس گرم تھی حضرت مولوی شاہ گل حسن صاحب قادری مصنف تذکرہ غوثیہ و خلیفہ حضرت مرحوم نے عرض کیا کہ میاں احسان اللہ مثنوی بہت اچھی پڑھتے ہیں۔ ارشاد ہوا اچھا حکایت شبان پڑھو۔ جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے خدا سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں ؎

تو کجائی تا شوم من چاکرت　　چارقت دوزم کنم شانہ سرت

اے جذبۂ من رواں جاں من   جملہ مریداں و جہاں جاں من

تذکرہ غوثیہ میں لکھا ہے کہ جب یہ حکایت شروع ہوئی تو حضرت[۱] کے چہرہ مبارک کا رنگ سرخ اور آنکھیں مثل شمع روشن ہو گئیں آنسو ٹپ ٹپ مینہ کی طرح برسنے لگے تمام مجلس کی یہ حالت تھی کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہ رہی ایک عجب وغریب کیفیت طاری تھی کہ بیان میں نہیں آسکتی اٹھارہ برس کے عرصہ میں صرف اس روز حضرت کو روتے ہوئے دیکھا۔

---

[۱] آپ کا نام سید غوث علی شاہ تھا آپ کے حالات نہایت عجیب وغریب ہیں اور پڑھنے کے قابل ہیں ولادت آپ کی ۱۲۱۹ھ کو ہوئی اور وفات ۲۶ ربیع الاول ۱۲۹۷ھ کو بعمر ۷۸ برس جمعہ کے دن ہوئی تھی سلسلہ قادریہ تھا ساری عمر سیر و سیاحت اور تجرید میں بسر کی

حصۂ پنجم

دردِ دل

احمدی جماعت کے خلیفۃ المسیح مولوی حکیم نورالدین صاحب مرحوم اپنے بھوپال کے حالات سفر کے دوران میں لکھتے ہیں۔ جب میں گوالیار پہنچا۔ تو میری ایک ایسے بزرگ سے ملاقات ہوئی جو حضرت سید احمد صاحب بریلوی کے مخلصوں میں تھے۔ مجھ کو ان کی صحبت میں کچھ ایسی خوشی حاصل ہوئی کہ میں وہیں رہ پڑا۔ مجھ سے باتیں کرتے کرتے انہوں نے یہ دو شعر پڑھے

نہ کر عوض مرے عصیان و جرم بیحد کا   کہ تیری ذات غفور الرحیم کہتے ہیں
کہیں نہ کہدے عدو دیکھ کر مجھے غمگین   یہ اس کا بندہ ہے جسکو کریم کہتے ہیں

ان شعروں کا اثر جو میرے دل پر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ آج (۱۳۲۱ھ میں) اس بات کو شاید پچاس برس کے قریب زمانہ گزرتا ہے۔ لیکن وہ لذت اب تک بھی فراموش نہیں ہوئی۔ اگرچہ یہ دعا ادعیہ ماثورہ کی برابری نہیں کر سکتی۔ مگر معلوم نہیں کیسے دل سے نکلی تھی جس میں عجیب قسم کا اثر ہے۔

انوار تیراہی معروف بہ گلزار اردوی میں لکھا ہے کہ حضرت قبلہ عالم کا ایک مخلص فقیر محمد نام حضور کی قبر کا غلام ہو کر تین سال تک زندہ رہا۔ اور اس عرصہ میں رو رو کر یہ شعر پڑھتا تھا اور یہاں سے جلنے کا نام نہ لیتا تھا۔[۵]

جیتے جی جاتا ہیں کیونکر کوئے جاناں چھوڑ کر   بلبل نالاں کہاں جائے گلستاں چھوڑ کر

مولوی نور احمد صاحب تذکرہ نوگلیہ میں لکھتے ہیں۔ ماہ رمضان تھا۔ ایک دن نماز عشاء پڑھ کر مولوی فیض الحسن سہارنپوری مرحوم کی یہ نعتیہ غزل پڑھ رہا تھا[۵]

---

۵ مرقاۃ الیقین فی حیات نورالدین مولفہ مولوی اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی

ترا او بہتے یا احمد مقام اللہ اکبر کا | تری رسم شاہی رمہ ہے پیچوں اور کا
رہیں بوسی سے تیری خاک کو رتبہ ہوا حاصل | رہا باقی فلک کو میسا اپنے مقدر کا
سر جوش نے مرادی ست کہ ہم بسمل سہی | یہ کہتا ہے چلو دیکھو تڑپنا ہیں عصر کا

لکھتے ہیں پڑھتے پڑھتے رقت طاری ہوئی۔ اور اسی حالت میں عالم عسدگی میں چلا گیا دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نورانی شکل میں سامنے کھڑے ہیں

حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی نے ایک مرتبہ اپنے دربار کے مشہور گویئے عالم شاہ کو حکم دیا تو انہوں نے روح کے مطابق کوئی شعر گانے کا ارشاد فرمایا خادم نے ایک غزل پڑھی جس کا مطلع یہ ہے ؎

اصحاب یار رکھتا ہے آثار آپ کا | شیشے کی مثل دیکھئے ہے سار آپ کا

خواجہ صاحب نے اس شعر کے مکرر سہ کرر کہنے کا ارشاد فرمایا۔ اور حاضرین سے مخاطب ہو کے کہا واہ وا کیا اچھا شعر ہے جو حد درجہ کیفیات پیدا کر دیتا ہے۔

۱۹۱۱ء میں جشن مولود نبوی صلعم کے متعلق اسلامیہ کالج لاہور کے حبیبیہ ہال میں ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں سر سٹر گریجوایٹ عالمان دین ایڈیٹران اخبارات اور عام لوگ بھی شامل تھے حضرت حافظ حاجی سید جماعت علی شاہ صاحب علی پوری بھی اس بزم میں تشریف رکھتے تھے وعظ ہوئے نعتیں پڑھی گئیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس زندگی کے حسب حالات بیان ہوئے۔ لیکن جب مولوی ظفر علی خاں صاحب ایڈیٹر اخبار زمیندار نے اپنا خمسہ پڑھا۔ حاضرین کے دلوں کی عجب حالت تھی ہر طرف سے ہو حق اور نالہ کے نعرے بلند ہوتے تھے۔ حضرت حافظ صاحب تمام انگریزی خواں جھوم رہے تھے اور کئی اصحاب جن میں بیرسٹر اور گریجوایٹ صاحبان بھی تھے رومال سے اپنے آنسو پونچھ رہے تھے نعت ظفر نے دلوں میں ایک عجب کاری سی لگا دی تھی نظم کے ختم ہونے کے بعد لوگ مولوی ظفر علی خاں کے ہاتھ چومتے تھے۔ ان سے بغل گیر ہوتے تھے۔ اس طرح اپنی وجدانی کیفیت کا ثبوت ادا دہاں کے کلام کی داد دیتے تھے اشعار حسب ذیل ہیں ؎

وہ شمع اُجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں — اک روز جھلکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں

لولاک لما کا شور نہ ہو گر ارض و سما کی محفل میں — یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں

جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا — وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکان فلسفہ سے — ڈھونڈے سے ملے گی عاقل کو قرآں کے سیپاروں میں

بوبکر و عمر عثمان و علی ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی — ہم مرتبہ ہیں یاران نبی کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

اکتوبر ۱۹۱۳ء کے آخری ہفتہ اور نومبر کے ہفتہ اول کا ذکر ہے۔ میں ان دنوں سخت بیمار اور تبدیل آب و ہوا کے لئے بھوپال میں مقیم تھا۔ بیماری روز بروز رو بترقی تھی۔ اور میں اپنی زندگی سے قریباً مایوس ہو چکا تھا۔ کسی چیز سے دلبستگی نہ تھی۔ نالۂ دلخراش کی ایک طویل نظم کا پہلا بند عموماً ورد زبان رہتا تھا جس کے چند شعر حسب ذیل ہیں:-

عالم فانی میں ہے ہر چیز کی کچھ انتہا — یہ کوئی انصاف ہے غم ہو کبھی وہ کم نہ ہو

ہم خطاکار و گنہگار ہیں کوئی شک نہیں — تو ہے آقا تجھ کو زیبا ہے کہ تو برہم نہ ہو

ہم نے یہ مانا کہ ہے تخلیق انسان بہر غم — ساتھ اس کے یہ بھی ہونا چاہئے تا ہم نہ ہو

کچھ دنوں تو چاہئے اس کے لئے آخر بقا — مانتے ہیں ہم بنا ہے عمر مستحکم نہ ہو

مصلحت سے موت بھی خالی نہیں تسلیم ہے

نوجوانی میں مگر یہ قابل ترمیم ہے

---

[1] مولانا شاہ سلیمان پھلواری شریف (پٹنہ) کے فرزند مرحوم حضرت شاہ حسن میاں صاحب اپنے ایک خط میں جو ستمبر ۱۹۱۰ء کے پنجاب ریویو لاہور (جلد ا نمبر ۲) میں صفحہ (۳۷) پر درج ہوا ہے پنجاب ریویو کے ایڈیٹر اور اس تحریر کے مصنف مولوی ظفر علی خاں صاحب بی اے کو لکھتے ہیں "آپ کے اشعار بعنوان صلو علیہ و آلہ پنجاب ریویو اور نظام المشائخ میں دیکھے۔ شعر ۲ مرے حضرت قبلہ والد ماجد کو بہت پسند آیا۔ اور نہایت ہی رقت و وجد کے عالم میں آپ کو دعائیں دیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ایمان میں۔ آپ کے خیال میں۔ آپ کی عمر میں۔ آپ کے مال و متاع میں آپ کی عزت و جاہ میں۔ آپ کے اہل و اولاد میں سب میں برکت عطا فرمائے۔ میرے حضرت والد ماجد قبلہ عالم مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب قادری چشتی آپ کو سلام و ارشاد فرماتے ہیں"

شدتِ گریہ سے میری یہ حالت تھی کہ میں ایک مصرع بھی صاف نہیں پڑھ سکتا تھا مہینوں میں ان اشعار کو پڑھ کر ۱۱-۱۲ سال کے تاثرات و صدمات کی کثرت سے رو دیا کرتا تھا یہاں تک کہ ایک مرتبہ آنکھ لگ گئی۔ اور خواب میں جو کیفیت مجھے نظر آئی باوجود بیماری کے بڑھتے جانے اور کسی طرح کم نہ ہونے کے اُس نے میرے دل کو کچھ تقویت سی دیدی۔ آخر میں لاہور آیا۔ اور شاہی مطلب نے عید الفطر کے ایک دن بعد یعنی ۱۱ اکتوبر کو کامل ۲½ ماہ کے بعد مجھے بخار سے نجات بخشی

۱۳ اکتوبر ۱۹۱۱ء کو نمازِ عصر کے بعد بادشاہی مسجد لاہور میں مسلمانانِ طرابلس کے متعلق ڈاکٹر شیخ محمد اقبال ایم اے پی ایچ ڈی بیرسٹر ایٹ لا نے "حضور رسالت مآب میں" کے عنوان سے ایک نظم پڑھی جس کا مضمون یہ تھا کہ جب میں رختِ سفر باندھ کر یہاں سے روانہ ہوا اور فرشتے مجھے بزمِ رسالت میں لے گئے تو حضور نے فرمایا ؎

نکل کے باغِ جہاں سے برنگِ بو آیا ۔۔ ہمارے واسطے کیا تحفہ لے کے تو آیا

تو اکثر لوگ غش کھا گئے۔ اور جب جواب میں یہ کہا کہ ریاضِ دہر سے دوا کہیں نہ ملی البتہ اک آبگینہ نذر کو لایا ہوں اور وہ آبگینہ کیسا ہے ؎

جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں ۔۔ طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

تو اس آخری شعر نے سامعین کے قلوب پر جو اثر کیا اور پھر مجمع میں جو درد ناک کیفیت پیدا کر دی اس کی ادنیٰ کیفیت یہ ہے کہ اللہ اللہ کے نعرے بلند ہونے لگے اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو رہے تھے۔

حضرت حاجی شاہ محمد شیرؒ کی مجلس گرم ہے پہلی صف میں یہ آفتابِ ہدایت گم گشتگانِ منزل کو راہِ راست پر لا رہا ہے ظہر کی نماز پڑھی جا چکی ہے میاں خواجہ بخش قوال و آپکا دامادی قوال ہے دل کا حصہ گا کر اپنی خوش گلوئی کی داد حاصل کر رہے ہیں۔

سرِ نگاہ کے مجروح اور بھی ہیں کئی ۔۔ کہ جن کے دل میں رہی اور کسی کے پار گئی

ملہ اس کا ذکر ... والد سید الشیخ علی ہجویری کی جامع شریعت و طریقت تھے ایک سو بیس برس سے زیادہ کی عمر میں سماع پر جان دی وفات پائی (رسالہ انیس السالکین حصہ اول)

مگر مدعی سے بھی کی انکر نے یہ بات سنی　　درون سینۂ من زخم بے نشان زدۂ

بحیرتم کہ عجب تیر بے کمان زدہ

مولوی مرزا محمد صاحب الفت مرزا بیگ صاحب سہسرامی مصنف تذکرۃ الواصلین جو حضرت بابا شیر کے مریدان خاص میں ہیں لکھتے ہیں - میں بھی اس مجلس میں موجود تھا میں اس وقت کی کیفیت اور لطف کو کیا بیان کروں - زبان کو اس کے بیان کا یارا نہیں مستمعان جگہ جگہ تڑپتے تھے اور لوٹتے تھے۔

میاں خواجہ بخش قوال حضرت بابا شیر کے نہایت مقبول نظر کہے تھے اور جب کبھی سماع کی مجلس ہوتی تھی تو میاں خواجہ بخش کی شمولیت ایک لازمی امر قرار دی جاتی تھی چنانچہ ایک مجلس میں قوال مذکور نے یہ دوہا پڑھا۔

ہم او چھے سب بات کے اور تم اونچے مہراج　　نظر کرم کی راکھیو بانہہ گہے کی لاج

خواجہ بخش کی آواز حضرت بابا شیر کو وجد ہو گیا - اہل اللہ اور اہل دل کی مجلس اور نیازمندی و اعتراف تقصیرات کے مضمون سے لبریز شعر ! ظاہر ہے کہ سب لوگ قال سے حال میں آگئے ہوں گے - چنانچہ تذکرۃ الواصلین میں لکھا ہے کہ اس موقع کو یاد کرتے ہیں اور روتے ہیں -

حضرت شاہ غلام نبی صاحب ابوالعلائی فیروزپوری اور میاں شاہ جیون صاحب اور حضرت شاہ محمد شعیب صاحب ثانی ابوالعلائی شجاروی کی مجلس میں ایک دن سماع ہوا ، رشید مطرب نے یہ خیال شروع کیا ۔

من مو ہی صورت پیاری لگی　　عزیز خاں گھائل کر ڈاری

مرلی کی دھن میرے کاری لگی

حضرت شاہ محمد شعیب پہلے خود وجد کر کے حضرت شاہ غلام نبی رح کی چارپائی کے گرد پھرتے تھے تھوڑی دیر کے بعد شاہ جیون صاحب پر بھی حالت طاری ہو گئی یہ دیکھ کر حضرت شاہ غلام نبی رح بھی چارپائی سے اتر کر فرش شطرنجی پر بیٹھ گئے حضرت شاہ صاحب نے تھوڑا سا پانی منگوایا کچھ آپ پیا - اور باقی باندوان دونوں حضرات

کو لقول ہما میاں شاہ نے تحفتہً پوشیدہ خود را عطا فرمایا جس سے ان کی بیقراری کے شعلے مدہم پڑ گئے۔

حضرت مولانا عبد القدوس گنگوہی کبھی کبھی تھانیسر تشریف لے جایا کرتے تھے اُس زمانہ میں شیخ جلال الدین تھانیسر بڑے متبحر عالم تھے۔ وہ حضرت مولانا گنگوہی کے مریدوں سے اکثر کہا کرتے تھے کہ تمہارا پیر پھپھیا ہے یعنی ناچا کرتا ہے مریدوں نے حضرت کے پاس شکایت کی کہ شیخ جلال الدین ہم کو ٹوکتے رہتے ہیں فرمایا اگر پھر کبھی کہیں تو کہنا کہ وہ ناچتے بھی ہیں اور نچا بھی دیتے ہیں چنانچہ مولانا جلال الدین نے مولانا گنگوہی کی تشریف آوری پر اُن کے ایک مرید سے کہا کیوں میاں تمہارے پیر پھپھیا آ گئے اس نے کہا ہاں صاحب ہمارے پیر ناچتے بھی ہیں اور نچا بھی دیتے ہیں۔ یہ سنتے ہی مولوی صاحب نے کپڑے پھاڑ جنگل کی راہ لی۔ کئی دن کے بعد ہوش آیا تو حضرت کی خدمت میں لکھا ؎

کر[1] کانپے لیکھن ٹوٹ گئے اور روم روم تھرائے　　سدھ آوت چھاتی پھٹے جو پاتی لکھی نہ جائے

حضرت نے اس کے جواب میں لکھا ؎

پیتم[2] پتیاں جب لکھوں کہ جو تم ہو پردیس　　تن میں من میں نین میں توں تو کیا سندیس

یہ شعر دیکھتے ہی مولانا جلال الدین جو اپنے زمانہ میں علم و فضل میں کمال رکھتے تھے بے خود ہو گئے۔ ہوش میں آئے تو دیکھا کہ سینہ تمام دنیاوی آلائشوں سے پاک ہے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے مرید ہو کر خلافت حاصل کی اور گوشہ نشین ہو گئے[3]

تذکرہ غوثیہ (حالات حضرت مولانا سید غوث علی شاہ قلندر پانی پتی قدس سرہٗ)

---

[1] کر مراد ہاتھ لیکھن قلم ٹوٹ گئے گر گئے روم روم بال سدھ ہوش مطلب ہاتھ اور تمام بدن لرزہ میں ہے قلم ہاتھ سے گرا جاتا ہے خط لکھوں تو کس طرح لکھوں اور جب ہوش آتا ہے تو فراق میں سینہ شق ہوا جاتا ہے [2] پیتم دوست پتیاں خط پردیس دور دیس اے دوست خط اس کو لکھا کرتے ہیں جو دور ہو اور تو تن میں من میں اور آنکھوں میں ہے اسکو کیا پیغام دیا جائے [3] تذکرہ غوثیہ صفحہ

میں لکھا ہے کہ حضرت غوث قلندری ایک مرتبہ کلیئر شریف گئے۔ جہاں حضرت مخدوم علاؤالدین احمد صابر رحمۃ کا مزار متبرک واقع ہے۔ آہنگ سرود کی دھوم ارباب شوق کی مستی اور اصحاب ذوق کی بالادستی سے ہنگامہ بزم گرم ہوا مطربان خوش آہنگ کسی سوختہ دل کا یہ شعر گا رہے تھے ؎

یہ شکایت ہے ہمیں اس ساقی گلفام سے دور ساغر میں ہمیں محروم رکھا جام سے

تین شخص یہ شعر سنکر بادہ شوق سے سرمست ہوئے جنہوں نے "وجد و حالت" کی گرما گرمی سے اصاغر و اکابر کو خاموش کر رکھا تھا حضرت غوث قلندری نے تینوں سے الگ الگ کچھ سوالات کرکے اُن کے جوش و خروش کو دیکھا کیا۔

حضرت امام الدین صاحب انوار اللہ برہانہ متخلص بہ شوقی ایک زبردست شیخ ہوئے ہیں ستمبر ۱۹۱۴ء میں آپ کا عُرس تھا جو آپ ہی کی مندرجہ ذیل غزل سے شروع ہوا ؎

بحث علم عالمانی اور ہے	عاشقوں کی لن ترانی اور ہے
کیا کریں ہم شکل یوسف دیکھکر	وہ ہمارا یار جانی اور ہے
ظاہراً نخشب کی صورت ہے کچھ اور	لیکن الطاف نہانی اور ہے
شمع پر پروانہ کا جلنا ہے دل	سوزش روح روانی اور ہے
مر گیا مرنے سے پہلے جو کوئی	اس کی عمر جاودانی اور ہے
نالہ بلبل ہے شوقی اور کچھ	میری آشفتہ بیانی اور ہے

اس غزل پر سامعین اور مشائخین پر بڑی رقت طاری ہوئی۔ اور جملہ حاضرین محفل کی حالت میں تغیر آ گیا[۱] جذبات اور کیفیات کا ایک دریا تھا جو ہر شخص کے دل میں لہریں مار رہا تھا۔

مولوی عبدالحکیم خاں لودہی مصنف شوکت افغانی اپنی کتاب کے صفحہ ۱۴۲ پر

---

[۱] از اخبار سول اینڈ ملٹری نیوز لدھیانہ مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۹۱۴ء

[۲] صاحبزادہ سلطان احمد خاں بیرسٹرایٹ لا چیف جسٹس ہائی کورٹ گوالیار اور صاحبزادہ آفتاب احمد خاں بیرسٹرایٹ لا جائنٹ سکرٹری محمڈن کالج علیگڈھ آپ ہی کے صاحبزادے ہیں۔

پڑھتے ہیں جس میں نواب غلام احمد خاں احمدی مرحوم رسالدار سرگروہ سپل ٹکسی کو الیا ر کا یہ

شعر پڑھا تھا ہوں ؎

کس ادا سے بلبلوں کے کان میں آتا ہے تیری   یاد کرتی ہے ہر پتہ پر راں ہو کر

وہ گھڑیوں اس کی کیفیت سے سرور رہا جن جن تشبیہوں اور رقیق استعاروں

میں یہ شعر ڈوبا ہوا ہے وہ وجد میں لے آتے ہیں۔

پیر جی سردار علی صاحب سکنہ ہر دوئی[1] نے فرمایا۔ مرشد نا و مولانا مسعود شاہ صاحب ہادی نے لحاظاً خاندان چشتیہ سماع سننے کی اجازت دے رکھی تھی لیکن اپنی طرف سے انعقاد محفل کو منع فرما دیا تھا چنانچہ جب تک یاران جلسہ باقی رہے ہر ایک محفل سماع ہوا کرتا تھا اور اس وقت جن جن شعروں پر لوگوں کو کیفیت طاری ہوتی تھی وہ اب تک یاد ہیں اور جب کبھی پڑھتا ہوں وہی وجدانی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ ذیل کے دو شعر جو تمام تر ظاہری مطلبوں میں بالکل معمولی اور عام ہیں پڑھے جانے کے پڑھتے ہی باوجود اس کبر سنی کے ان کے دل کو حرکت ہوتی اور وہ چند لمحہ تک عالم کیفیت میں رہتے[2] شعر یہ ہیں ؎

گلستاں میں جا کر ایک گل کو دیکھا   نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے

سما رہا ہے نظروں میں ایسا تو سب   جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

لارڈ کیننگ ہندوستان میں گورنر جنرل تھے ۱۸۵۵ء کا زمانہ تھا نوابی اودھ کا آخری دور تھا سلطان واجد علی شاہ کلکتہ میں اپنی زندگی کے دن پورے کر رہے تھے نواب جو اس محل زیر ہم کی مرضی کے علاوہ ایک طویل قصیدہ نواب گورنر جنرل بہادر کی شان میں لکھا رہا کہ انقلاب کی شان میں سیکڑوں اور ہزاروں قصیدے پڑھے گئے ہیں جو خود اودھ کے لئے قصیدہ کو آسان ہے۔ قصیدہ عشرت الناظرین ہے اور اڑتالیس بیت پر مشتمل ہے۔ وہ چند شعر ذیل میں درج کئے

---

[1] پیر سردار علی صاحب یادگار چشتی تھی ساہ ... ہر دوئی (موجودہ ...) میں مقیم ہیں۔

[2] اقتباس خط مولانا ... شہری ... سم ...

جاتے ہیں ؎

ترا ایں کمترین اک مدح خوانِ ذاتِ انور ہوں | ترے لطف و عنایت کا نہ سایہ مجھ سے اب کم ہو
جو دامن تیرا پکڑا ہے تو پوری دستگیری کر | کدھر جاؤں کہوں کس سے جو میرا کام ہر دم ہو
یہ چھوٹے چھوٹے بچے ننھی جانیں بچ گئیں بے شک | یہی ہے آرزو مجھ پر عنایت اب نہ یہ کم ہو
مقدم سب پہ ہے میری رہائی بے خطا ہوں میں | الٰہی نیر اسکا ہر دمہ پہ بھی مقدم ہو
وہ لے شاہ اودھ دیتا ہے تجھ کو یہ دعا ہر دم | دعائے اختر ناچار ہیں تاثیر ہر دم ہو
رہے حکم و حکومت ملکۂ عالم کی دنیا میں | وزیر ملکہ انگلینڈ ہر دم شاد و خرم ہو

جب یہ قصیدہ نواب گورنر جنرل کے ملاحظہ سے گذرا تو بادشاہ کا مرثیہ حال دیکھ کر دل پر بہت اثر ہوا حکم ہوا جو بادشاہ طلب کریں بے تامل بھیجدو۔ بادشاہ نے دو لاکھ طلب کیا۔ جو مل گیا[1]

فنا فی القوم آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں بہادر بانی علیگڈھ کالج کی زندگی میں ایک مرتبہ مدرسۃ العلوم پر ایک نظم پڑھی گئی تھی جس میں ایک شعر یہ بھی تھا ؎

دور سے امید نے جھلکی سی اک دکھلائی ہے | ایک کشتی ڈوبتے بیڑے کو لینے آئی ہے[2]

معلوم نہیں عوام پر اس شعر کا کیا اثر ہوا۔ لیکن سر سید اس شعر پر لٹو ہو گئے۔ اور انہوں نے اس شعر سے وہ کام لیا۔ جو اور کسی کے خیال اور ذہن میں مشکل سے آ سکتا ہے اور ممکن ہے کہ خود شاعر کو بھی اس شعر کے عملی صورت میں آنے کی کبھی توقع نہ ہوئی ہو۔ سر سید نے اس شعر کو سامنے رکھکر چندہ وصول کرنے کی یہ تدبیر کی کہ مسلمانوں کی حالت کو ایک تباہ شدہ جہاز کی صورت میں ظاہر کیا۔ اور مدرسۃ العلوم کو ایک کشتی کی شکل میں دکھایا۔ جو جہاز والوں کو اس تباہی سے نکال لینے کے لئے جہاز کی طرف آرہی تھی۔ غرض یہ تصویر بنا کر انہوں نے نواب مختار الملک مرحوم (حیدرآباد دکن) کی خدمت میں بھیجی۔ جس کا یہ اثر ہوا کہ نواب مختار الملک نے اپنی گرہ

[1] اختر تخلص سلطان عالم واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کا ہے ۔ ۵۳ تاریخ اودھ سلسلہ دوم صفحہ ۲۷۸ ۔ ۵۳
[2] غالباً یہ شعر مولانا حالی مرحوم کا ہے۔

سے بھی معقول رقم دی اور حضور نظام دکن (مرحوم) سے پہلے تین سو پھر پانچ سو ماہوار دلایا جو بعد میں دو ہزار ماہوار ہو گیا ۔

سنہ ۱۹۰۹ء یا سنہ ۱۹۱۰ء کا ذکر ہے آنریبل مسٹر گوپال کرشن گوکھلےؔ پونہ سے لاہور میں آئے تھے ان کا استقبال اور ان کا جلوس نہایت شان و شوکت سے کیا گیا تھا ٹاؤن ہال میں ان کا ایک لکچر بھی ہوا ہندو مسلمان کثرت سے شامل تھے لکچر سے پہلے مولوی محرم علی صاحب چشتی اڈیٹر رفیق ہند حال مختار عدالت لاہور نے آنریبل گوکھلے کی شان میں ایک معرکۃ الآرا نظم پڑھی جس کا مقطع یہ تھا ؎

نقطۂ توحید سے ہندو مسلماں ایک ہیں   خواہ چشتی نام ہو اور خواہ مسٹر گوکھلے

مقطع کو بار بار پڑھوایا گیا خود مسٹر گوکھلے جھومتے تھے اور بار بار اس کا تکرار کرتے تھے۔ بلکہ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ یہ شعر مسٹر گوکھلے نے روڈ میں لکھ بھی لیا تھا اور کہتے تھے گوکھلے چشتی ہے اور چشتی گوکھلے ہے ۔

سلہ ہندوستان کا سیاسی ترین رہنما سنہ ۱۸۶۶ء میں کولہاپور میں پیدا ہوا اور ۲ فروری سنہ ۱۹۱۵ء کو پونہ میں انتقال کر گیا ہندو مسلمان عیسائی سب نے آپ کی موت پر اظہار رنج و افسوس کیا ہے ۔

حصۂ ششم

حال سے قال

مہاراجہ رنجیت سنگھ والیٔ پنجاب کے زمانہ میں حافظ الہ بخش تخلص پیار ' ایک نامی بزرگ گذرے ہیں[۱] مولوی حافظ ولی اللہ صاحب جنہوں نے عیسائیوں کے ساتھ مناظرہ میں خاص نام پایا ہے۔ آپ کے فرزند تھے حافظ الہ بخش پنجابی زبان میں شعر کہتے تھے اور اچھا کہتے تھے۔ آپ نے ایک دن جمعہ کی نماز پڑھانے کے بعد وعظ فرمایا اور دم واپسین یا عالم نزع کی مشکلات کے متعلق اپنی تصنیف سے مندرجہ ذیل دو شعر پڑھے :۔

الف اوکھے ویلے ہووِیں یار میرا۔ میری مشکلاں کل آسان کریں
میری عاجزی نوں منظور رکھیں میرے اوگناں ول نہ دھیان کریں
تینوں واسطہ رب دے نام دا ای۔ نظر فضل دی اے رحمان کریں
پیارا آکھدا دم اخیر دے نوں۔ میرا خاتمہ نال ایمان کریں

ترجمہ :۔ بارالٰہا مشکل (دمِ نزع) کے وقت میری دستگیری کر کے میری تمام مشکلوں کو آسان کر دے۔ میری عاجزی اور گریہ وزاری کو قبول فرما اور میرے گناہوں کی طرف خیال نہ کر۔ بارالٰہا تجھے اپنے نام کا واسطہ نظر فضل و کرم سے محروم نہ رکھنا پیارا (تخلص حافظ صاحب) یہ التجا کرتا ہے کہ جب اسکی موت آئے تو اسکا خاتمہ ایمان کے ساتھ ہو۔

ان بیتوں کے خاتمہ پر حافظ صاحب پر غشی کا عالم طاری ہوگیا۔ لوگ آپ کو حجرہ میں لے گئے۔ وہاں کچھ دیر تک لیٹنے کے بعد پھر غشی سے افاقہ ہوا۔ دوسرے دن نور کے تڑکے آپ نے کلمہ شہادت پڑھا۔ اور جان جان آفریں کو سپرد کر دی۔

---

[۱] سال ولادت ۱۲۱۵ھ وفات ۱۲۷۶ھ از چشمۂ حیات

فقیر عزیزالدین مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار کے نورتنوں میں ایک بے بہا رتن تھے۔ ہاشم شاعر پنجابی جن سے فقیر صاحب کی دوستی تھی۔ ایک دفعہ ان سے ملنے کے لئے آیا۔ فقیر صاحب اس وقت نماز پڑھ رہے تھے چونکہ نماز کا کوئی وقت نہ تھا ہاشم جب ان کے پاس پہنچا۔ اور وہ بھی نماز سے فارغ ہوئے تو ہاشم نے کہا

ایہ سجدہ نہیں سچ دا   اٹھے کم کر کوئی پچ دا

یعنی یہ بے وقت کا سجدہ ریا ہے دنیا کوئی ایسا کام کرو جو قابل تعریف ہو۔ فقیر صاحب پر اس فقرہ کا بڑا اثر ہوا۔ دیر تک ٹہلتے اور سوچتے رہے

ہاشم کی سسی بہت مشہور ہے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے صرف اس پر ہاشم کو معقول انعام دیا بلکہ اس کی سالانہ رقم بھی مقرر کر دی تھی۔ ایک دفعہ مہاراجہ نے کہا ہاشم کوئی بات تو سسی سے سناؤ۔ ہاشم نے نہایت خوش الحانی سے یہ شعر پڑھے۔

کامل شوق ماہی دا جینوں ب رہے جگر وچہ وسدا لوں لوں رسدا
راکھس ہے پردا بس سو دا۔ اُنے کوئی گناہ نہ دسدا۔ اُٹھ اُٹھ نسدا
جو جو حال بنا ان روزو دیکھ بس دل ہسدا۔ درد نہ کھسدا
ہاشم کام نہیں ہر کس دا۔ عاشق ہوں درس دا۔ بر ہوں بس دا

ترجمہ مجھے اپنے محبوب دوست کے ملنے کا کمال شوق ہے جو ہماری جگر میں مقیم ہے بلکہ میرے رونگٹے رونگٹے میں ہے میرے دوست کی سرکار عجیب ہے پردہ سرکاہے وہ لعنی فرد یا گناہ کے مجھ سے روٹھتا اور بگڑتا رہتا ہے اور میری حالت اس سے ہے کہ سارے دنیلے کے ہنسا اور رونا کرتے ہے ہاشم عاشق ہو نا واقعی ہر کسی کا کام نہیں ہے۔

یہ دوہڑا سن کر مہاراجہ پر عجب شوق طاری ہوا۔ بار بار فرماتے تھے "کامل شوق ماہی دا" ہاں ہاشم کس طرح راجھو سناؤ۔ چنانچہ اس دن سات دفعہ یہی دوہڑا سنایا دربار کے اراکین اور اُمراء دور دراز کھڑے تھے اور مرے لٹتے تھے اور ہر طرف سچ وسدا۔ لوں لوں رسدا کی آوازیں آرہی تھیں۔

ایک دفعہ مہاراجہ صاحب لاہور سے امرتسر تشریف لے گئے۔ طبیعت بگڑ گئی۔ بہت علاج ہوا۔ لیکن کچھ فایدہ نہ ہوا۔ کسی نے کہا اگر اس وقت مہاراجہ کو ہاشم کے کچھ دوہڑے سنائے جائیں تو شاید آفاقہ ہو جائے فوراً ایک سوار جگدیو[1] گیا۔ اور ہاشم کو ساتھ لے آیا۔ ہاشم نے اپنی نئی تصنیف لیلی مجنوں سے یہ دوہڑا پڑھا۔

مجنوں درد دیوانا لیلی میں گرد دکھاں دا گھیرا۔ ستے چند چو فیرا
لکھیا لیکھ ایہو کجھ میرا ایہ وس نہیں کجھ میرا۔ اتے نہ تیرا
ڈھونڈاں چال ملن دی کوئی اتے لاواں زور بتیرا۔ ملن او کھیرا
ہاشم رات پئی سر مجنوں پر اوڑک ہوگ سویرا۔ چاک اندھیرا

ترجمہ: اے لیلی مجنوں دکھ درد و مصیبتوں کے قید خانہ میں چاروں طرف سے گھرا ہوا ہے یہ نوشتۂ تقدیر ہے اس میں نہ کچھ تیرا زور چلتا ہے نہ میرا۔ ملاقات کی راہیں بہتیری تلاش کرتا ہوں لیکن کوئی زور نہیں چلتا۔ اے ہاشم۔ مجنوں کے سر پر جو یہ کالی بلا رات آئی ہے آخر یہ وہ شب تاریک ہونیکے بعد صبح کی روشنی بھی نمودار ہوگی

مہاراجہ نے جوش میں کہا نہیں ہاشم یہ نہیں۔ ایک دفعہ پھر وہی سناؤ۔ جو کامل شوق رانجھن والا پچھلے برس سنایا تھا۔ حکم کی تعمیل کی گئی۔ کہتے ہیں اسی وقت مہاراجہ کی طبیعت سنبھل گئی۔ اور رفتہ رفتہ بالکل تندرست ہو گئے

ہاشم کے دوہڑوں۔ بیتوں اور شعروں میں کس قدر اثر تھا اور اس کی آواز میں کیسی مقناطیسی کشش تھی۔ مندرجہ ذیل واقعہ سے بخوبی معلوم ہو سکتی ہے جو اس کے خاندان کے لوگ بیان کرتے ہیں۔

ہاشم کے خوش الحان اور اس کے دل پر اثر کرنے والے دوہڑے سنکر ایک برہمنی ان کی عاشق ہو گئی۔ سرکار دربار میں عورت ذات کی رسائی نہ تھی۔ لیکن اور جہاں کہیں موقع ملتا وہ پہنچتی اور ان کے دوہڑے سنتی۔ اور

[1] جگدیو ضلع امرتسر میں ایک موضع ہے جو ہاشم کا وطن تھا۔ ہاشم شاہ ۱۱۶۶ھ میں پیدا ہوا اور ۷۰ برس کی عمر میں وفات پا گیا۔

زار زار روتی۔ ماس نے ہاشم شاہ سے کئی مرتبہ ملاقات کی خواہش کی لیکن وہ انکار ہی کرتے رہے۔ ریشمی کے رشتہ داروں نے چاہا کہ دونوں کا کام تمام کر دیا جائے تاکہ قصہ ہی پاک ہو جائے۔ اسی اثنا میں یہ معاملہ مہاراجہ تک پہنچ گیا۔ مہاراجہ نے کہا ہمارے ہاشم کو کیوں تنگ کرتے ہو تم عورت کو سمجھاؤ تاکہ وہ اس کا خیال چھوڑ دے۔ انہوں نے سمجھایا لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر وہ مسلمان ہو گئی اور ہاشم نے اس سے نکاح کر لیا۔

وارث شاہ کا نام پنجاب کے بچہ بچہ کی زبان پر ہے۔ ہیر وارث شاہ صرف زبان محاورہ روزمرہ ہی سے مضامین اور خیالات کی سدا بہاری ہی کا مجموعہ ہے۔ ملکہ صاحبان بصیرت کے لئے وہ حکمت و معرفت کے اصول موتی ہیں۔ آپ اور بابا بلھے شاہ قصوری ہم مکتب تھے۔ اور قصور میں مولوی حافظ غلام مرتضیٰ صاحب کے مکتب میں پڑھا کرتے تھے۔ مولوی صاحب کو جب خبر ہوئی کہ وارث نے ہیر لکھی ہے تو وہ خفا ہوئے۔ اور عتاب نامہ لکھا وارث شاہ ان دنوں قاہد کے مشہور ستعمل پاک پٹن مقیم تھے آپ عتاب نامہ دیکھ کر دوڑے آئے اور معذرت کے خواستگار ہوئے۔ مولانا نے کہا اس درس سے خوب نکلا اچھا نکلا مگر تم اور بلھے شاہ خدا جانے کس گھڑی آئے کہ درس بدنام ہو گیا ہے اُس نے پڑھا تو سارنگی لے لی۔ اور تم نے پڑھا تو یہ کام کیا دوسرے دن ملا قاوارث سے کہا۔ جو لکھا ہے اس سے کچھ سنا تو سہی۔ پھر وہ مقام سنا جہاں بھائیوں اور بھاوجوں کی بابت جھگڑا کا تذکرہ تھا پھر خاتمہ کا وہ حصہ پڑھا جس کے تذکرے یہ ہیں۔

تیر روح تے چاک تلبوت جالوں نال اسمٰعیل ایہہ ہیر بنایا ای
بچ پیر نے بچ جو اس ہیرے جہاں بھاں تدوں لایا ای۔
کیدو لنگا شیطان ملعون جالی جس نے وچ دیوان پھرایا ای
کوٹھا گورا نے عزرائیل کھیڑا اجیہا السدا ای روح نوں چایا ای

ترجمہ :- ہیر کو روح تصور کرو اور چاک کو قلبوت (جسم)، پانچ پیروں کا جو ذکر ہے۔ وہ در اصل پانچ حواس ہیں جن کے سہارے پر نہیری زندگی کا دارومدار ہے : کیدو لنگڑے کو اس کے کارناموں کی وجہ سے شیطان سمجھنا چاہیئے۔ مکان کو قبر تصور کرو اور کھیڑا جس کے نام سے ہی روح فنا ہوتی تھی۔ عزرائیل ہے جو روح کو لیتے ہی فرار ہو گیا۔

یہاں تک سنا تھا کہ مولانا کی حالت بدل گئی۔ عشق الٰہی کی آگ بھڑکی اور ایسی بھڑکی جس سے مجبور ہو کر ایک درویش کو فرمایا "میرے سر پہ لوٹے سے پانی ڈالو" خادم نے تعمیل کی لیکن تعجب ہے کہ جب سکت ہوئی تو پھر وہی شعر پڑھنے کو کہا پھر کیفیت طاری ہوئی پھر پانی ڈالا گیا۔ اور آخر کہا وارث تم نے بھی بہار دانش کے مصنف عنایت اللہ کی طرح جواہرات گنج کی رسی میں پرو دیئے ہیں۔

خواجہ محمد سلیمان ایک مرتبہ حضرت خواجہ مہاروی کے عرس پر جا رہے تھے راستہ میں حاجی پور میں قیام ہوا اشراق کے بعد مجلس منعقد ہوئی۔ جب قوالوں نے یہ پنجابی راگ گایا ؂

ہیرے ہیرے ہیں وں مت کوئی آکھو نہ ہیں ہیر سا ہیٹی
نہ ہیں منگ کھیڑیاں دی سجائی نہ ہیں چوچاک بیٹی
ذات صفات اونی ونجہ رہیاں ہیتاں چاک دے دل سکی پیٹی

ترجمہ

ہیر ہیر کے نام سے مجھے مت پکارو۔ میں ہیر نہیں ہوں۔ نہ کھیڑیوں سے میرا تعلق و واسطہ ہے۔ اور نہ میں چوچک کی بیٹی ہوں ذات صفات کی یہاں کیا ضرورت۔

حضرت خواجہ کو اس راگ پر بہت رقت ہوئی دونوں ہاتھ ایک دوسرے پر مارتے تھے قوالوں کی طرف جاتے تھے اور واپس آتے تھے چند بار ایسا ہی کیا پھر آنکھیں شمال کی طرف اٹھا کر تحیر حالت میں کھڑے ہو گئے چند منٹ ہی گذرنے پائے تھے کہ بیہوش ہو کر گر پڑے ظہر تک یہی کیفیت رہی۔ جب موذن نے اذان دی تو جسم مبارک میں حرکت ہوئی مولوی محمود سے پوچھا کہ کوئی کلمہ خلاف شرع تو زبان سے نہیں نکلا انہوں نے جب نہیں میں جواب دیا تو فرمایا۔ الحمد للہ !

حضرت پیر قلندر شاہ علیہ الرحمۃ کے صاحبزادہ پیر غلام محی الدین شاہ صاحب مرحوم کے پاس ایک قوال جس کا نام کوڈا ملازم ہمراہ اکمل طنبورہ لئے ہوئے حضرت قلندر شاہ صاحب کے حجرہ میں جا بیٹھا آپ اسوقت سلسلہ دوزانو بیٹھے ہوئے تھے جب اس نے ساز بجانا شروع کیا تو آپ نے اسی ہیئت میں کوڈا قوال کی طرف رخ پھیر لیا کلاونت نے امیر خسرو کا یہ کلام خوش الحانی سے پڑھنا شروع کیا ۔

در فراقت جو گی دلیہ گشت کم من دلیں مدنسہ
کس وجہ سے درلی گلو جہ کا سے ساجن بھکیا پائیو رے

قوال مذکور کا بیان ہے کہ حضرت قلندر شاہ علیہ الرحمہ پر حالت وجد طاری ہوگئی آپ ملاسالعہ اسی طرح دوزانو بیٹھے رہے سے کر بھر اوپر سے دسے تھے اور پھر اپنی جگہ پر آجاتے تھے جب سماع ختم ہو گیا تو آپ بھی عالم صحو میں آ گئے مجھے ایک بوتا کا دوپٹہ عطا فرمائے میں نے عرض کیا حضرت پھر بھی حاضر ہوا کروں آپ نے فرمایا نہیں کیونکہ اگر ہم مجالس سماع جاری کردیں تو تمام لوگ تقلید شروع کر دینگے ۔ اور ہر شخص چونکہ اس کا اہل نہیں ہے ۔ اس لئے یہ فعل ان کے لئے جائز نہیں ہے[1]

حضرت پیر سید روشن شاہ صاحب[2] جو گجرات ضلع سیالکوٹ کے جو عشق الٰہی اور محبت رسول میں کامل رکھتے تھے اپنے انتقال سے دو گھنٹے پیشتر ایک نعت خواں کو بلایا اور ارشاد کیا کہ کچھ پڑھو نعت خواں نے جب پہلا ہی شعر پڑھا تھا جاترسا اک دیدار لوں رہا بیل ہی کھتاریوں
یعنی دیدار کیلئے دل ترس رہا ہے یا اللہ اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرا سامعین کو اس پر بڑی رقت ہوئی پیر صاحب کی یہ حالت تھی کہ سب وجود ہو ہو کر ذکر الٰہی کرتے اور درود شریف پڑھتے تھے ۔

---

[1] آپ ولادت باسعادت ۱۱۸۵ھ میں بمقام ... ہوئی آپ کا سلسلہ بیعت چار واسطوں سے حضرت عبد الجلیل چوہڑ شاہ بندگی تک پہنچتا ہے آپ کے والد پیر کرم شاہ المشہور سیستانی شاہ اور ... شاہ ... سکھوں کی شورش سے ... آکر لاہور میں حضرت قلندر شاہ ابراہیم پور آگئے شکرگڑھ مطابق ۱۸ ... کے مسعود بی سے ... ۱۸۰۵ھ

[2] آپ قریشی ... ۱۲ ... حضرت سید سرور شاہ صاحب ... شاہ عالم سید حسین شاہ صاحب ... شریف کے ... مریدوں میں سے تھے ۱۲۲۸ھ کے آخری ... میں آپ نے ... گجرات ضلع سیالکوٹ میں انتقال فرمایا۔

قیمت | ترجمہ تحفۃ (اردو) | [illegible]

مصنفہ مولوی محمد لطفی عباسی جلال الدین علیہ الرحمہ

[illegible]

اسکا مراسے واقفیت حاصل کرتے یہ کتاب ... [illegible] ... سکتے ہیں ... [illegible]

[illegible] حاصل ہو

فہرست مضامین